رمزِ ہجر و وصل

زارار ضوان

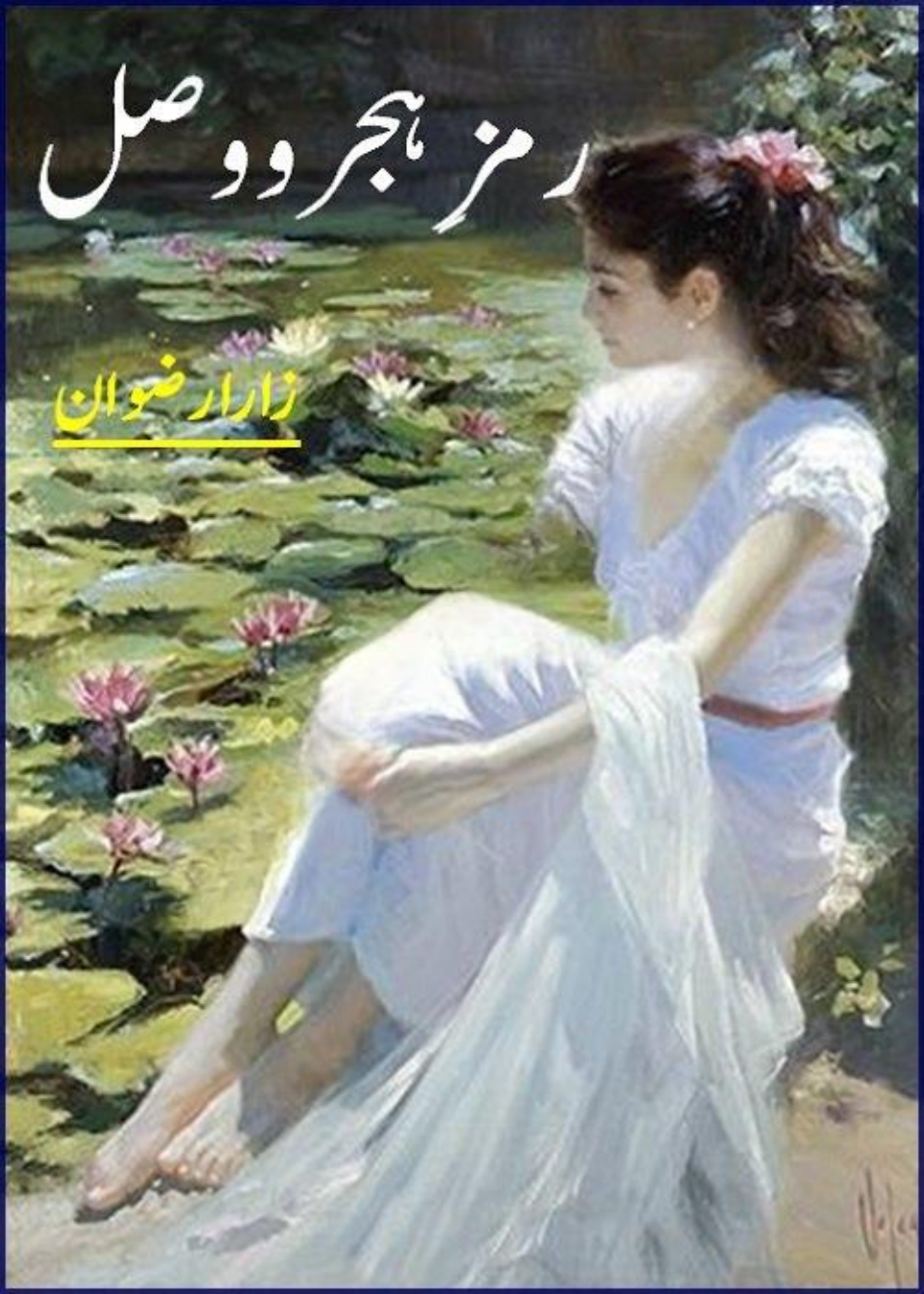

ناول

زارا رضوان

رمزِ ہجر و وصل

داستانِ محبت ایک ایسے اِنسان کی جس نے رَمزِ ہجر و وَصل کا مزا چکھا۔ جس نے اپنی زندگی کی اکائیوں میں رموز کی وادیوں میں قدم رکھا۔ ایسا شخص جس نے پہلے محبت کی پھر ہجرِ محبت کو سہا۔ جو رمزِ ہجر کو سمجھتا ہے۔ محبت کو بچھڑتے دیکھا، مرتے دیکھا۔ ہجرِ بیکراں کیا ہے اس سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے جس پر خوشیاں حرام ہوگئی ہوں۔ جہاں یادوں کا ناگ پھن پھیلائے ہر وقت ڈستا رہتا ہو۔ وہاں خوشیاں کیسے جی سکتی ہیں۔ ہر دن قیامت ہو اور ہر رات عذاب!

محبت اب اور نہیں کہنے والا شخص زندگی کے ایسے موڑ پر آجاتا ہے جہاں اسے کہنا پڑتا ہے کہ ایک محبت اور سہی۔ ایسی محبت جس نے اسے رمزِ وَصل کی لذت سے آشنا کیا۔ جس کے وَصل نے سمجھایا محبت میں ضد، انا، بغاوت نہیں ہوتی۔ محبت بس محبت ہوتی ہے شرطوں کی قید سے آزاد۔ ذات پات، رنگ نسل، امیری غریبی اور عمر کی قید سے ماورا۔

گزر گئی جو تیرے ساتھ یادگار رہی
تیرے بغیر جو گزری وبالِ جاں گزری

''تم ہنستے ہوئے اچھے لگتے ہو بلکہ بہت اچھے لگتے ہو۔ ہمیشہ ہنستے رہا کرو۔ اور دیکھو غصہ مت کیا کرو۔ تم پر بالکل سوٹ نہیں کرتا۔'' ماضی کے کسی کونے سے آتی یہ آواز کان میں پڑتے ہی وہ آنکھیں کھول کر بیٹھ گیا۔

''لو جی۔ غصہ نہ ہو گیا پینٹ سوٹ ہو گیا جو سوٹ نہیں کرتا۔'' مترنم ہنسی چاروں طرف پھول بکھیر گئی۔

''مجھے خوش رہنا ہے۔ مجھے بس مسکرانا ہے۔'' آنکھوں میں آئے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے خود سے کہا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔ خوش رہنے کیلئے مصروفیت ضروری تھی ورنہ شکستگی، اداسی، یاسیت، ویرانگی اور تنہائی کا ناگ اس کو ڈس لیتا۔

یہ کیسی مسافت میں ہمیں ڈال گئے تم
ہم اپنے ہی اندر کا سفر کاٹ رہے ہیں!

''السلام علیکم! کیسی ہو؟ آ گئی شادی کھا کر؟''

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ٹھاک۔ آپ سنائیے۔ یاد آ گئی ہماری۔'' ہنستے ہوئے مہرین کی سیاہ لمبی گھنی پلکیں ایک پل کو اٹھیں۔ وہ دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو چکی تھی۔

''بھولے کب تھے جناب۔ خیر سے کوئی نظر نہیں آ رہا۔ کہیں گئے ہیں کیا؟'' ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے بولا۔

''ابو کام پر گئے ہیں۔ بھابھی رانیہ کو سلا رہی ہیں اور امی دوا کھا کر سوئی ہیں۔ آپ بیٹھیں

میں پانی لائی۔'' اس نے منہ سے دھاگہ توڑتے ہوئے بتایا۔ رومال کو سائیڈ پر رکھا اور پانی لینے چلی گئی۔

''شکریہ جناب۔'' پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے بولا تو مہرین کی ہنسی گہری ہوگئی۔ اسکا طرزِ مخاطب مہرین کو مسکرانے پر مجبور کر دیتا۔ خوش مزاج، دوستانہ رویہ، سب سے گھل مل جانیوالا زندگی سے بھرپور شخص لیکن جب کبھی لاپرواہی برتتا یا اسکے میسج کا جواب نہ دیتا تو وہ پہروں کڑھتی رہتی۔ اپنے اور اسکے رشتے کے درمیان فرق جانتی تھی پھر بھی جانے انجانے وہ اسکی عادی ہوتی جارہی تھی۔

''اچھا میں چلتا ہوں۔ سب کو سلام کہنا۔ چاچو سے فون پر بات کرلونگا۔'' پانی کا گلاس تھما کر اٹھتے ہوئے بولا۔

''تھوڑی دیر بیٹھ جاتے۔ بھابھی اور امی سے مل کر جایئے گا۔ کھانا تیار ہے بس گرم ہی کرنا ہے۔'' اس نے روکنے کی کوشش کی۔ وہ چاہتی تھی کچھ دیر اور بیٹھتا۔

''پھر کبھی سہی۔ یہاں کسی کام سے آیا تھا تو سوچا تم لوگوں سے مل لوں۔ اوکے چلتا ہوں۔ ٹیک کیئر۔ اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' وہ چلا گیا۔ مہرین گلی کے کونے تک اس کو جاتا دیکھتی رہی جب تک وہ گاڑی میں بیٹھ کر نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا وہ اندر نہ گئی۔

ہم تو عشق کے ''ع'' میں ایسے الجھے کہ عیب دار ہوئے
جو عشق کے ''ق'' تک گئے شاید انہوں نے قیامت ڈھائی ہوگی

''عشق کے قاف تک پہنچ جانے کے بعد ہر حرف ختم ہوجاتا ہے۔ سب ہیچ لگتا ہے۔'' اس

نے مہرین کے بھیجے گئے میسج کا جواب دیا۔ مہرین کے چہرے پر دھنک کے رنگ بکھر گئے، سب رنگ محبت کے، چاہت کے، اپنائیت کے۔

''آپ نے قاف پر ریسرچ کی ہے کیا؟'' بات بڑھانے کی غرض سے پوچھا۔ وہ بات لمبی کرنے کیلئے ادھر ادھر کی باتیں کرتی۔

''ریسرچ کی ہوتی تو نامراد نہ ہوتا۔'' کافی دیر بعد جواب آیا۔ اسکو میسج عجیب وغیر معمولی لگا۔

''کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔'' میسج کا جواب نہ آیا۔ وہ ایسا ہی تھا وقت ملتا تو جواب دیتا ورنہ کئی گھنٹوں بعد ریپلائی آتا۔ تھوڑی دیر بعد اسکی کال آئی۔ چوہدری حفیظ علی نے بات کر کے فون مہرین کو تھما دیا۔ وہ فون لے کر چھت پر چلی گئی تا کہ بات کر سکے۔

''آپ نے لاسٹ میسج کا جواب نہیں دیا۔'' سلام دعا کے فوراً بعد پوچھ لیا۔

''جواب دینا ضروری نہیں تھا۔ اسلئے نہیں دیا۔'' لاپرواہ لہجہ مہرین کو سلگا گیا۔

''چلیں مرضی آپکی۔ نہ دیں جواب۔'' نروٹھے پن سے بولی۔

''ایک تو تم برا بڑی جلدی مان جاتی ہو۔'' اسکے بچپنے پر وہ ہنس پڑا۔

''ہر بات کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ کوئی بات تو تھی جو آپ کہنا چاہتے تھے پھر رک کیوں گئے۔ اگر بات کی تھی تو بتا بھی دیتے۔ ورنہ بات ہی نہ کرتے۔'' نروٹھے پن سے بولی تو اسکی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

''کیا بات کروں۔ تم کیا سمجھو گی۔''

''سمجھ ہے مجھ میں۔ ہر بات سمجھ جاتی ہوں۔''

''لیکن میری باتیں سمجھنے کیلئے ابھی تم بہت چھوٹی ہو۔''

''اب اتنی بھی چھوٹی نہیں۔ سترہ سال کی ہوں۔ ہر بات سمجھتی ہوں آپ کر کے تو

دیکھیں۔'' وہ ہنس پڑا۔

''میں تم سے اپنی باتیں کیوں شیئر کروں؟ ہم کزنز ضرور ہیں لیکن ہمارے درمیان ایک اور رشتہ بھی ہے جس میں عزت واحترام لازم ہے۔'' اس نے کہا تو مہرین کا حلق کڑوا ہو گیا۔ جس رشتے کا حوالہ دیا اس سے مہرین کو چڑ تھی۔

''عزت واحترام کے دائرے میں رہ کر بات کی جاسکتی ہے۔'' وہ لاجواب ہو گیا۔

''پھر کبھی سہی۔'' اس نے ٹال دیا۔

''ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔ ہنہ۔ صاف صاف منع کر دیں نہیں شیئر نہیں کر سکتے۔'' وہ تپ گئی۔

''میری باتوں کو سمجھنے کیلئے میچورٹی چاہیے جو تم میں ہے نہیں۔ رکھتا ہوں فون۔ کچھ کام ہے۔ اللہ حافظ۔'' ایکدم سرد ہو گیا۔ ٹکا سا جواب دے کر اللہ حافظ کا جواب سنے بغیر فون کاٹ دیا۔ وہ کتنی دیر تپتی رہی۔

''میں ہی پاگل ہوں جو سب باتیں شیئر کرتی ہوں۔ اب میں بات ہی نہیں کرونگی۔ سمجھتے کیا ہیں خود کو۔ ہنہ۔'' وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب تھی۔

ہاشم اسکا تایا زاد تھا۔ خاندانی چپقلش اور جائیداد کے تنازعے کی وجہ سے دونوں کے والد کی بول چال بند تھی۔ مہرین اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ سولہ سال! مہرین سے ملے اسے بمشکل ایک ڈیڑھ سال ہوا تھا جب انکے دادا کا انتقال ہوا۔ دونوں بھائیوں میں صلح ہو گئی۔ چوہدری وجاہت نے اپنے بھائی حفیظ سے مہرین کا ہاتھ چھوٹے بیٹے عاصم کیلئے مانگ لیا۔ اس صلح کو بہترین طریقے سے چوہدری ہاشم نے برقرار کیا۔ ملنساری سے، دوستانہ رویے سے جو خلوص اور چاہت واپنائیت سے بھرا ہوا تھا۔ لگتا ہی نہ تھا سالوں سے فاصلہ تھا۔

ہر ماہ دو ماہ بعد وہ چوہدری حفیظ احمد کے گھر چکر لگاتا جب بھی آفس ورک کے سلسلے میں

لاہور چکر لگتا تو وہ لازمی ملنے جاتا۔ خواہ آدھے گھنٹے کیلئے بیٹھنا پڑتا۔ مہرین سے نوک جھونک چلتی، خدیجہ بھابھی سے گپیں لگاتا، چوہدری حفیظ سے حالات حاظرہ پر بات چیت کرتا، شکیل سے روزمرہ کی گفتگو۔ وہ جانے انجانے میں مہرین کے دل میں جگہ بناتا چلا گیا اور وہ کچھ نہ کر سکی۔ یہ بھی بھول گئی کہ وہ اسکے بھائی سے منسوب ہے۔

محبت کے آکٹوپس نے اسکے دل پر گہرے پنجے گاڑ دیئے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے اسکا خیال، اسکی سوچ، اسکی فکر، اسکی باتیں! محبت کے ڈنک کا تریاق کسی کے پاس نہیں۔ محبوب کا ساتھ زندگی کی نوید! محبوب طبیب، محبوب دوا۔

''یہ حیثیت ہے میری۔'' دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے میسج کیا ساتھ میں غمگین آنگن بنایا۔

''تمہاری حیثیت تم سے بہتر کون جان سکتا ہے مہر؟ اگر کوئی حیثیت نہ ہوتی تو کبھی بھی پاپا عاصم کیلئے تمہارا ہاتھ نہ مانگتے۔'' عاصم کے نام پر اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔

''ہر بات پر اسکا ذکر۔ ہم اپنی بات نہیں کر سکتے کیا؟ ایسی بات جس میں ہم دونوں کا ذکر ہو؟'' جلد بازی میں میسج کر تو دیا بعد میں پچھتائی۔ اسے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اسکی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

''آپکا بھائی آپکی طرح کیوں نہیں ہنس مکھ، ملنسار، گھلنے ملنے والا۔ وہ ایک بار بھی یہاں نہیں آیا نہ کسی سے ملا۔ ہم لوگ دو بار گئے آپکے گھر مگر اس نے سیدھے طریقے سے بات نہیں کی۔'' جان بوجھ کر دوسرا میسج کیا تاکہ پہلے میسج کی تلافی کر سکے۔

''وہ ایسا ہی ہے سنجیدہ، اپنے آپ میں رہنے والا۔ کم کم ہی کہیں جاتا ہے۔''

''اپنی منگیتر سے بات کرنے میں تو کچھ نہیں جاتا۔ اور آپ۔ آپ تو ایسے نہیں ہیں۔ آپ

بہت اچھے ہیں لونگ، کیئرنگ۔ اپنے اپنے سے۔"

"تم کونسا مجھے زیادہ جانتی ہو۔ ابھی ایک ڈیڑھ سال ہوا ہے ملے۔ گھڑی دو گھڑی بات ہوتی ہے اس میں کیسے جج کر سکتی ہوں کہ میں اچھا ہوں۔"

"کسی کو جاننے کیلئے ایک پل کافی ہوتا ہے۔" مہرین کے کہنے پر ہاشم نے قہقہہ لگایا۔

"واہ جی واہ! ایک پل کافی ہوتا ہے جاننے کیلئے۔ یہاں ایک دوسرے کو سمجھنے میں زمانے بیت جاتے ہیں اور تم بات کر رہی ہو ایک پل کی۔ آئی وڈی ماہرِ نفسیات۔" تیرہ منٹ بعد میسج کیا وہ بھی سڑا ہوا جسے دیکھ کر مہرین جل کر رہ گئی۔

"کسی کو سمجھنے کیلئے ماہرِ نفسیات ہونا لازمی نہیں۔" وہ اتنا ہی لکھ سکی۔

"بظاہر میں سب کیساتھ ایسا ہی ہوں مہر۔ لیکن حقیقت برعکس ہے۔ میں فطرتاً جھگڑالو اور غصے والا ہوں جو ہمارے خاندان کا خاصہ ہے۔ جو روپ تم دیکھتی ہو وہ ایک خول ہے جو میں نے چڑھا رکھا ہے۔ اصل روپ دیکھ لو تو کانوں کو ہاتھ لگاؤ کہ اتنا لڑاکا بندہ۔"

"میں نہیں مانتی۔ آپ ایسے ہو ہی نہیں سکتے۔ بالفرض ہیں بھی تو عاصم سے لاکھ درجے بہتر ہیں۔" وہ اپنی بات پر قائم تھی۔

"اس سے لاکھ درجے بہتر ہوں یا ہزار درجے بدتر۔ ہونگا تو تمہارا جیٹھ۔" مہرین کڑھ کر رہ گئی۔ کوئی جواب نہ بن پایا۔ کیا کہتی حقیقت یہی ہے جسے وہ تسلیم کرنا نہیں چاہتی۔ موبائل سائیڈ پر رکھ کر اپنے لئے چائے بنانے چلی گئی۔

اسکا دل، دماغ، سوچیں ہاشم سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتیں۔ کیا پتہ ہاشم کی عاصم اسکے دل میں جگہ بنا لیتا لیکن دونوں خاندانوں کے ملنے سے دونوں کی بات چیت پکی ہونے تک اس نے ایک بار بھی مہرین سے بات نہ کی تھی۔ ایک بار بھی انکے گھر نہ آیا تھا۔

''انسان جتنا بھی سنجیدہ، اپنے آپ میں رہنے والا ہو اپنی ہونیوالی شریک حیات سے بات تو کرتا ہے۔ مجھ سے نہ سہی ابو یا بھائی سے بات کرنے میں کیا جاتا ہے اسکا۔ کبھی ملنے بھی نہیں آیا۔ مغرور ہے یا وہ اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں جب ہم تایا ابو کے گھر گئے تھے سلام کے بعد کوئی بات تک نہ کی۔ مجھے دیکھا تک نہیں نہ ہم لوگوں کے پاس بیٹھا۔'' وہ اپنی بھابھی سے الجھ پڑی۔

''کیا پتہ اسکی عادت ہو۔ کسی کی عادت تو نہیں بدل سکتے ہم۔'' خدیجہ نے سمجھایا۔

''جو بھی ہے۔ ہاشم بھائی جیسا کوئی نہیں۔ دیکھا نہیں کیسے ہر تیسرے دن ابو کو فون کرتے ہیں، ہم سب سے بات کرتے ہیں۔''

خدیجہ اسکے چہرے پر ہاشم نام کے رنگ دیکھ کر خاموش ہو جاتی۔

''عاصم سمجھدار، ذہین اور محنتی لڑکا ہے۔ اسلئے نہیں کہہ رہا کہ وہ میرا بھائی ہے بلکہ حقیقت یہی ہے۔ البتہ ریزرو رہنا اسکی عادت ہے جسکو ہم نہیں بدل سکتے۔ ہاں تم چاہو تو شادی کے بعد اسکو اپنے رنگ میں رنگ لینا یا اس جیسی ہو جانا۔ تم پر ہے۔''

میسج کی بیپ ہوئی تو وہ چونکی۔

''میں رنگریز نہیں۔'' مختصر جواب دیا۔ یہ بھول گئی کہ بھابھی سے بات کر رہی تھی۔

''کسی نہ کسی کو تو بننا پڑتا ہے تاکہ اپنے رنگ میں رنگا جا سکے۔ بلکہ یہ تو وقت بتاتا ہے کون کس جیسا ہو جاتا ہے۔''

''مجھے انکو اپنے رنگ میں رنگنا ہے نہ خود ان جیسی ہونا ہے۔ میں ایسے ہی بہت اچھی ہوں۔''

''خوش فہمی۔'' مختصر جواب۔ مہرین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ کانپتے ہاتھوں سے

سوال کیا۔

''کیا آپکو اچھی نہیں لگتی؟'' اس ایک سوال میں بہت کچھ پنہاں تھا۔ان کہی محبت، دبے جذبے کی چنگاریاں، کچی عمر کی محبت۔

''تم اچھی ہو تبھی عاصم کیلئے تمہارا انتخاب کیا ہے ورنہ ہمیں لڑکیوں کی کمی تھوڑی تھی۔'' ہاشم کے میسج نے اس کو اندر تک سلگا دیا تھا۔اسے لگا وہ جان بوجھ کر انجان بن رہا ہے۔

وہ اسکی آنکھوں میں آنیوالے رنگوں سے بے خبر نہیں تھا۔کہتے ہیں عورت کے چہرے پر رنگ اس کی زندگی میں آنے والے مرد کی وجہ سے آتے ہیں۔محبت کا رنگ، حیا کا رنگ، چاہت، اپنائیت وخلوص کا رنگ۔مہرین نے میسج کی بجائے کال کرنا بہتر سمجھا۔اسکو مس بیل دی۔تھوڑی دیر بعد کال آ گئی۔

''عاصم عاصم۔کہیں نہ کہیں اسکا ذکر آجاتا ہے۔اس نے کبھی اتنی دلچسپی نہیں دکھائی ہوگی میرے بارے میں بات کرتے وقت۔اِن فیکٹ وہ تو میرا ذکر کرتا ہی نہ ہوگا۔'' سلام کئے بغیر تنک کر بات کرنے پر ہاشم کو اسکے انداز پر ہنسی آ گئی۔

''اچھا ہے نا نہیں کرتا بات۔اگر شادی سے پہلے بات کرلوگی تو شادی کے بعد بات کرنے کیلئے کیا بچے گا۔دونوں ایک دوسرے کا منہ تکتے رہو گے۔''

''مجھے کیا ضرورت پڑی ہے سڑیل کا منہ تکنے کی۔ہنہ۔'' مہرین نے سڑا ہوا جواب دیا۔

''لوکر لوگل۔منہ تے تہانوں تکنا پے گا۔شادی ہونی اے کوئی مذاق نئی (منہ تو تمہیں دیکھنا پڑے گا۔شادی ہونی ہے کوئی مذاق نہیں)۔'' بہتر یہی تھا مہرین کی باتوں کو مذاق میں اڑا دے۔

''کاش مذاق ہوتا۔'' مہرین نے افسردگی سے کہا۔

''مہر۔''

''جی۔''

''تمہیں عاصم سے اتنی چڑ کیوں ہے؟ آئی مین ابھی سے تم اسکے بارے میں اس طرح سوچتی ہو۔ پوری لائف کیسے گزاروگی؟

You should think positive about him

ورنہ مشکل تمہی کو ہوگی۔'' ہاشم نے اسے سمجھایا۔

''جس طرح مدمقابل کا رویہ ہوتا ہے ویسی ہے اگلے بندے کی سوچ ہوتی ہے۔ میں جان بوجھ کر اسکے بارے میں غلط رائے قائم نہیں کر رہی۔ اسکا رویہ ایسا ہے کہ میں مثبت سوچ ہی نہیں سکتی۔ آپکی سوچ، آپکی باتیں، آپکا دوستانہ و مخلص رویہ دیکھ کر وہ کہیں پیچھے چلا جاتا ہے۔'' مہرین نے صاف گوئی سے کہا۔

''یہیں پر غلطی کر رہی ہو۔ مجھے اس کے ساتھ کمپیئر کروگی تو وہ پیچھے رہے گا۔ دیکھو مہر! اسکا تمہارا سامنا اب تک ڈھنگ سے ہوا ہی نہیں وجہ اسکی نیچر۔ منفی سوچوں کو نکال پھینکو تاکہ شادی کے بعد لائف سیٹ ہونے میں آسانی ہو۔ بی پوزیٹیو، تھنک پوزیٹیو۔'' ہاشم نے سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔

''آئی وِل ٹرائی۔'' مہرین نے بے دلی سے کہا۔ اسکے لہجے سے صاف ظاہر تھا وہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے۔

اسے لگا مہرین کو سچ بتا دینا چاہیے تاکہ وہ اپنے بڑھتے قدم روک لے۔ محبت کے چڑھتے رنگوں کو پکا ہونے سے پہلے اسے کچھ کرنا تھا۔ دونوں طرف خاموشی تھی۔

''ہیلو۔'' ہاشم نے تصدیق چاہی۔

''جی سن رہی ہوں۔''

''مہر! تم کچھ جاننا چاہتی تھی؟''

''میں..... کیا؟'' مہرین واقعی بھول چکی تھی۔ ایکدم یاد آنے پر بولی۔

''جی جی یاد آ گیا۔ آپ تو راضی نہیں تھے بتانے پر۔'' مہرین نے شکوہ کیا۔

''کچھ باتیں وقت پر کی جائیں تو اچھا ہوتا ہے۔ مجھے لگتا ہے یہی وقت ہے کہ تم سے بات کرلوں۔'' مہرین کا دل دھڑکنے لگا۔

''جی کہیے۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔

''ابھی نہیں۔ میں تمہیں رات کو فون کرونگا۔ بلکہ جب تم بالکل فارغ ہو جاؤ مجھے مس بیل دینا۔'' مہرین نے اچھا کہا تو اس نے اللہ حافظ کہتے ہی کال ختم کردی۔

مہرین بے تابی سے رات کا انتظار کرنے لگی۔ سارے کام جلدی جلدی نپٹائے۔ وہ اسکی ذومعنی باتوں کا مطلب جاننا چاہتی تھی۔ کبھی اسے لگتا وہ مہرین کو پسند کرتا ہے مگر عاصم کے حوالے سے کچھ کر نہیں سکتا۔ کبھی لگتا وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ تھا، کس لڑکی کو پسند کرتا تھا جو اسکو ملی نہیں یا شاید وہ مہرین ہی ہے تبھی وہ خود کو نامراد کہتا ہے۔ وہ عجیب کشمکش کا شکار تھی۔ ایک ایسے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی جس سے باہر ہاشم ہی نکال سکتا تھا۔ گتھی کو ہاشم سلجھا سکتا تھا۔ آج اسے اپنی باتوں کا جواب ملنا تھا۔ اس بھنور سے نکلنا تھا، اس کشمکش سے آزاد ہونا تھا۔

محبت حق کا کلمہ ہے، محبت من کی چاشنی ہے
محبت روح کا مرہم اور دلوں کی حکمرانی ہے!

''میں اور عنایہ فرسٹ ائیر سے ایک دوسرے کیساتھ تھے۔ دوستی کب محبت میں بدل گئی دونوں کو علم نہ ہوا۔ جانے انجانے میں دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہوگئے۔ چوہدری

ہاشم وجاہت، چوہدری کبیر الٰہی، نبیل نواز، الوینہ واجد اور عنایہ ماجد۔ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں۔ایک دوسرے سے مختلف مگر قریب ترین۔الوینہ عنایہ کی تایا زاد تھی۔وہ دونوں بچپن سے ساتھ پڑھتی آرہی تھیں۔کالج میں کلاس فیلو ہونے کیساتھ ساتھ ایک دوسرے کی بیسٹ فرینڈ بھی تھیں۔گریجوایشن کے بعد سب دوست الگ الگ فیلڈ میں چلے گئے۔رابطہ بہرحال قائم تھا۔عنایہ نے ایم بی اے کیلئے ایڈمیشن لیا تو میں نے بھی جاب کیساتھ ایم بی اے میں ایڈمیشن لے لیا۔مقصد ایک دوسرے کا ساتھ تھا۔عنایہ کے گھر والے اسکی شادی خالہ زاد سے کرنا چاہتے تھے پر وہ سنجیدہ نہ لے رہی تھی کیونکہ کامران کی جاب نہیں تھی اور اسکے والدین بغیر جاب کے کبھی بھی اسکی شادی نہ کرتے۔میں نے عنایہ کے کہنے پر ایم بی اے کیساتھ ساتھ جاب بھی شروع کردی تاکہ کل کو رشتہ بھیجوں تو اسکے والدین کو اعتراض نہ ہو۔زندگی اچھی جا رہی تھی لیکن کامران کی جاب نے سب بگاڑ دیا۔اسکی جاب لگتے ہی عنایہ کی خالہ باقاعدہ رشتہ لے کر پہنچ گئیں۔جیسے ہی عنایہ نے مجھے مطلع کیا میں پریشان ہوگیا۔مجھے لگا وقت آگیا ہے کہ گھر میں بات کی جائے۔یوں بھی میں برسرروزگار تھا۔تنخواہ اچھی تھی۔ایم بی اے کے بعد مزید ترقی ہوجاتی۔'' وہ بول رہا تھا وہ سن رہی تھی۔

''لڑکی کی ذات؟'' ہاشم کی پوری بات سننے کے بعد اسکی والدہ نے سوال کیا۔

''مغل۔''

''غیر برادری کی لڑکی ہے۔تمہارے ابو کبھی نہیں مانیں گے۔ہادیہ، سعدیہ، زنیرہ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے مگر جن سے رشتہ ہورہا ہے وہ تمہارے سامنے ہیں۔غیر برادری سے کتنے اچھے رشتے آئے مگر برادری کے چکر میں انٹر پاس بھتیجے کو دینا منظور کی بھلے انکی نوکری اچھی ہے مگر تعلیم تو واجبی سی ہے۔ڈاکٹر سعود کی بیوی کتنی خوش ہے اپنے گھر میں۔کیا تھا تمہارے ابو

ہادیہ کیلئے اسکو ہاں کر دیتے۔ کیپٹن دلشاد، تمہارا دوست نبیل، پروفیسر حقدار کا بیٹا شاہنواز۔ کون کون سے رشتے گنواؤں تمہیں جبکہ تم سب جانتے ہو۔ میں اپنی بچیوں کیلئے بات نہیں کر سکی اور تم کہتے ہو میں تمہارے لئے بات کروں؟ وہ تو جیسے مان جائیں گے۔'' نزہت وجاہت کی پھیکی مسکراہٹ کے انکی کمزوری کو عیاں کر رہی تھی۔ ہاشم سمجھ سکتا تھا وہ خود مجبور ہیں۔ اپنے خاندان والوں کا عورتوں سے سلوک بچپن سے ہی دیکھتا آ رہا تھا۔ ساس سسر، نند و شوہر کے نزدیک بہو کی حیثیت اس سے پوشیدہ نہیں تھی۔

''امی! دانیال اچھا لڑکا ہے۔ بچپن سے دیکھا بھالا ہے۔ سب سے بڑھ کر پھپھو ہادیہ کو بہت پیار کرتی ہیں۔ ہماری ہادیہ وہاں خوش رہے گی۔ اسلئے اسکی طرف سے خدشات نکال دیں۔'' ہاشم نے ماں کو سمجھایا۔

''اپنے ہیں تبھی تو دل مطمئن ہے۔ کبھی سوچتی ہوں بچیاں یہ نہ کہیں کہ تعلیم دلوا کر کم تعلیم یافتہ سے شادی کیوں کر دی۔'' دل کی بات زبان پر لے آئیں۔

''اللہ اکبر! تسی وی کی سوچی جاندے او۔ (آپ بھی کیا سوچی جاتی ہیں)۔ آپکی بیٹیاں فرمانبردار، سمجھدار اور سعادت مند ہیں۔ وہ ایسی کوئی فالتو بات نہیں سوچ سکتیں۔ وہ جانتی ہیں پاپا انکے لئے کبھی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے۔'' نزہت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں کی گل کرن آیا سی تسی وی نہ (میں کیا بات کرنے آیا تھا۔ آپ بھی نہ)۔'' ہاشم نے کہا اور چلا گیا۔ جانتا تھا یہاں دال گلنے والی نہیں۔

بہت سوچ بچار کر کے ہمت کر کی اور عنایہ کے گھر گیا۔ اپنا مدعا پیش کیا۔ تین بھائی ایک ساتھ لائن سے لگے صوفوں پر براجمان ہو گئے۔ لمبے چوڑے، گھنی گھنی مونچھوں والے گھبرو جوان۔ ہاشم نے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتے ہوئے پانی کا گلاس ایک

گھونٹ میں ختم کیا۔ ایسا نہیں تھا وہ ڈر گیا تھا بلکہ اسے وہ بات کرتے مشکل آ رہی تھی جو اصولاً والدین کو کرنی چاہیے۔

''دیکھو برخوردار! تم ایک اچھے خاندان کے چشم و چراغ لگتے ہو۔ کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ تم والدین کے ہمراہ آتے؟'' عنایہ کے والد پروفیسر ماجد غنی نے بغور اسکو دیکھتے ہوئے کہا۔

''انکل! بات یہ ہے کہ میری فیملی آؤٹ آف کاسٹ شادی نہیں کرتی۔ میں نے اپنے والدین سے بات کی تھی مگر۔'' اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ پروفیسر ماجد سمجھ چکے تھے وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

''چائے پیو۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ ویسے عنایہ نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ اسکی نسبت خالہ زاد سے طے ہے۔'' عنایہ کی والدہ نے کہا۔ اسکو اچھو لگ گیا۔

''جی آنٹی بتایا۔ مگر وہ اس رشتے سے۔ آئی مین ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ آپ لوگ بھروسہ کیجیے۔ میں عنایہ کو خوش رکھونگا بلکہ بہت خوش رکھونگا۔ میری جاب اچھی ہے ترقی کے چانسز ہیں۔'' اس نے اپنے تئیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

''تمہارے پیرنٹس راضی نہیں ہیں۔ اس گھر میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ رکھ لیں۔ پھر کہاں رہو گے؟ اگر کہو کرائے کے مکان میں۔ تو اس کیلئے ہرگز ہم نہیں مانیں گے۔'' پروفیسر ماجد نے کہا۔

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں زبیر کے پاپا۔ دیکھو بیٹا تمہیں بتا چکی ہوں عنایہ کیلئے میری بہن نے ہاتھ مانگا ہے۔ بلکہ عنایہ کی پیدائش پر ہی انہوں نے کامران کیلئے عنایہ کو مانگ لیا تھا۔ باقاعدہ منگنی کیلئے وہ ایک آدھ ہفتے تک تشریف لانے والی ہیں۔''

''آنٹی یہ آپ لوگوں کی خواہش ہے نہ کہ عنایہ کی۔ میں اسکے کہنے پر آیا ہوں۔ ہم ایک

دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ رہی بات کرائے کے مکان کی تو میرا ذاتی گھر موجود ہے جو پاپا نے میرے نام کیا ہوا ہے۔"

"دیکھیں ہاشم، ہمیں اعتراض نہیں کہ عنایہ اور تم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ لیکن ہماری مجبوری ہے کہ ہم اپنی بہن کی شادی بغیر تمہارے والدین کی رضامندی کے نہیں کر سکتے۔ عنایہ کا ہاتھ چاہیے تو پیرنٹس تو راضی کرنا ہوگا تاکہ وہ عزت سے آکر ہماری بہن کو بیاہ کر لے جائیں۔" عنایہ کے چھوٹے بھائی احسن نے کہا۔

"دیکھو بیٹا، شادی دو لوگوں نہیں دو گھروں کی ہوتی ہے، دو خاندانوں کی ہوتی ہے۔ عنایہ سے شادی کر کے تم اپنے والدین سے دور ہو جاؤ گے۔ بالفرض کبھی وہ مان بھی جائیں، تمہیں قبول کر لیں لیکن عنایہ کو قبول نہیں کر سکیں گے۔ اسکو وہ مقام و عزت نہ مل سکے گا جو ایک بہو کا حق ہے۔ تم زندگی کو اپنے نظریے سے دیکھ رہے ہو ہماری نظر سے دیکھو اور دور تک جاؤ۔ پھر بتانا عنایہ کا تمہارے گھر میں کیا مقام ہے، کیا مقام ہو سکتا ہے یا کیا مقام ہوگا۔" پروفیسر ماجد نے رسانیت سے کہا۔ ہاشم انکی باتوں کو سمجھ سکتا تھا۔ ان لوگوں کی ہر بات درست تھی۔ اسکے والدین کبھی بھی عنایہ کو نہیں اپنائیں گے نہ عزت و مقام دیں گے۔ آج، کل نہ کبھی۔ ذات پات کے مارے لوگ۔

"انکل! عنایہ کو میں عزت کیساتھ اپنانے آیا ہوں اور بہت امید لے کر آیا ہوں۔ آپ لوگ ماشاءاللہ ویل ایجوکیٹڈ ہیں سمجھ سکتے ہیں سب باتوں کو۔"

"خیر سے تعلق تو تمہارا بھی ایک پڑھی لکھی باشعور فیملی سے ہے برخوردار۔ پھر بھی تمہارے پیرنٹس ذات برادری کو مانتے ہیں۔ پڑھ لکھ جانے سے اگر فطرت بدل جائے تو ہمارا معاشرہ مثالی معاشرہ نہ بن جائے۔" مسز پروفیسر ماجد نے کہا اور ویل چیئر گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے

میں چلے گئے جس کا صاف مطلب تھا وہ مزید سمجھانے یا بات چیت کے موڈ میں نہیں ہیں۔

''میرے خیال میں آپکو جواب مل چکا ہے۔'' احسن نے کہتے ہوئے ہاتھ سے باہر کی طرف اِشارہ کیا جسکا مطلب تھا تم جا سکتے ہو۔

''تھوڑا وقت دے دیں تا کہ میں اپنے والد سے بات کر کے انکو راضی کر سکوں۔''

''کوئی ضرورت نہیں۔ تمہارے لئے عنایہ کا خیال دل سے نکال دینا بہتر ہوگا۔'' مسز ماجد نے صاف لفظوں سے منع کر دیا۔

''کیا میں عنایہ سے مل سکتا ہوں؟'' کھڑے ہوتے بولا۔

''کس لئے ملنا ہے؟ جب ماما نے منع کر دیا ہے کہ بھول جاؤ تو مطلب ہے بھول جاؤ۔ جا سکتے ہو۔'' عنایہ کے بڑے بھائی شبیر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''ایک بار بات کر لوں پھر چلا جاؤنگا۔'' ہاشم ڈٹ گیا۔

''دیکھو میں بہت دیر سے تمہاری بکواس سن رہا ہوں۔ اب سیدھی طرح چلتے بنو ورنہ۔'' شبیر نے سختی سے کہا تو ہاشم نے شدتِ ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''تمیز کیساتھ بھائی۔ میں نے کوئی فرمائش نہیں کی جس پر آپ اتنا بل کھا رہے ہیں۔''

''تم مجھے تمیز سکھاؤ گے؟ مجھے؟ شبیر ماجد غنی کو۔ تم ہو کیا شے؟'' ہاشم کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ اسکے لہجے سے لگتا نہ تھا کہ پروفیسر صاحب کا بیٹا ہے۔

''شے تو میں بہت بڑی ہوں۔ عنایہ کے بھائی نہ ہوتے تو بتاتا کیا شے ہوں میں۔'' ہاشم کو بھی غصہ آ گیا۔ آخر کو چوہدریوں کا خون تھا کیسے نہ جوش مارتا۔

''چل، چل بتا۔ کیا چیز ہے۔ میں کھڑا ہوں۔ شاباش بتا۔'' شبیر نے دونوں ہاتھ سینے کے گرد باندھ لئے۔ ہاشم مکا بنا کر آگے بڑھنے کو ہی تھا کہ احسن نے پکڑا۔

''آر یو اِن سینس؟ وہ غصے میں ہے آپ ہی تحمل سے کام لیں۔'' احسن نے اپنے بڑے بھائی سے کہا۔

''تحمل سے کام لوں؟ تم دیکھ نہیں رہے ہمارے گھر پر کھڑا ہو کر ہم ہی سے بدمعاشی کر رہا ہے۔'' شبیر نے کہا۔

''بلاوجہ الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں شبیر بھائی۔ تم جاؤ مسٹر ہاشم۔'' احسن نے معاملہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ وہ عادتاً ٹھنڈے مزاج کا بندہ تھا۔

''عنایہ سے ملے بغیر تو ہرگز نہیں۔'' ہاشم ضد میں آ گیا۔

''اچھا۔ اتنی محبت تھی تو یہاں تم نہیں تمہارے پیرنٹس ہوتے۔'' زبیر نے پہلی بار زبان کھولی۔

''وہ نہیں مانیں گے۔ زبردستی لا نہیں سکتا۔ تھوڑا سا وقت دے دیں تاکہ ان کو منا سکوں۔'' ہاشم نے ایک بار پھر اِلتجا کی۔

''پھر بھی نہ مانے تو؟'' زبیر نے پوچھا

''کوشش کرونگا مان جائیں گے۔'' ہاشم کا لہجہ دھیما تھا۔ وہ وثوق کیساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مان جائیں گے۔

''سوال یہ ہے نہ مانے تو کیا کرو گے؟'' مدمقابل انتہا کا ڈھیٹ تھا۔

''شادی مجھے کرنی ہے نہ کہ والدین کو۔'' وہ ایک ہی رٹ سے چڑ گیا۔

''او میاں! کند ذہن ہو یا عشق کا بھوت دماغ چاٹ گیا ہے جو بابا جانی کی کہی باتیں اتنی جلدی بھول گئے ہو۔'' عنایہ نے ٹھیک کہا تھا۔ اس کا بھائی شبیر کافی گرم دماغ تھا۔ چھوٹی چھوٹی خلافِ توقع بات پر لڑ پڑتا تھا۔ یہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہوا۔

''تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتی کاکا کہ شادی لڑکا لڑکی کی کیساتھ ساتھ دو خاندانوں کی ہوتی

ہے۔ ہم اپنی بہن کو کیسے جھونک دیں جہاں وہ کسی کی پسند نہ ہو۔ بہت باتیں ہو گئیں۔ اب چلتے بنو۔'' شبیر اسکا بازو پکڑ کر باہر کی طرف لے جانے لگا۔ ہاشم وہیں اکڑ گیا۔ اسی ضد، اکڑ اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بات ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ وہ دو ہٹے کٹے مرد اور ہاشم اکیلا۔ جتنا مار سکتا تھا مارا۔ باقی مار کھاتا رہا لیکن جانے کا نام نہ لیا۔ احسن ان تینوں کو چھڑوانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا لیکن کہاں تک قابو کرتا۔ شبیر نے پسٹل نکال لی۔

''ماں کا دودھ پیا ہے تو چلا گولی۔'' ہاشم سینہ ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔

''شبیر! ہوش سے کام لو۔ یہ پاگل ہے۔ عشق کا بھوت سر چڑھ کر ناچ رہا ہے۔ تم پاگل مت بنو۔ یار ہاشم تم ہی چلے جاؤ۔ جاؤ یارا خدا کا واسطہ ہے۔'' زبیر اور احسن نے اسکو پکڑ کر روکا۔

''عنایہ کو لینے آؤں گا دیکھ لینا۔'' جاتے جاتے وہ دھمکی دینا نہ بھولا تھا۔

✿.....✿.....✿

چیختے ہیں چلاتے ہیں تہلکہ مچاتے ہیں
خدارا ان لفظوں کی زبان کاٹ دے کوئی!

''مرد بڑا ہی بزدل واقع ہوا ہے۔ بڑی بڑی باتیں کرنیوالا مرد ہمیشہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے گھبرا کر بھاگ جاتا ہے۔'' وہ ہاشم سے سخت متنفر تھی۔

''بہت بھرم ہے اپنی ذات کا۔ ابو غیر برادری میں نہیں کریں گے۔ ہنہ۔ نام نہاد ذات پات کا بھرم رکھنے والے لوگ۔ چوہدری بنے پھرتے ہیں باقی سب تو جیسے حقیر ہیں۔'' اسکا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ دل کی بھڑاس جی بھر کر نکال کر بھی وہ ہلکی نہ ہو پا رہی تھی۔ کمرے میں چکر کاٹتے کاٹتے اسکی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں لیکن اسکے اندر ابلتا جوالا مکھی اسے ٹک کر بیٹھنے نہ

دے رہا تھا۔

''وہ بزدل ہوتا تو یہاں آتا کیا؟ اس میں اسکا کیا قصور۔ اسکے پیرنٹس نہیں آئے تو کیا ہوا۔ وہ تو تمہارا ہاتھ مانگنے آیا تھا۔ مما پاپا کو سوچ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ یہاں تمہارے کہنے پر آیا تھا جسکا مطلب وہ سمجھ سکتے ہیں۔ کام شبیر بھائی کے جوش نے بگاڑا ہے۔'' نبیلہ نے ہاشم کو سپورٹ کی۔

''غلطی ساری ہاشم کی ہے۔ اس کو جوش کی بجائے ہوش سے کام لیتے ہوئے مصلحتاً واپس چلے جانا چاہیے تھا۔''

''اچھا۔ چلا جاتا؟ واہ کیا بات کہی۔ جا کر کونسا اسکے مما پاپا مان جاتے؟ جب تک وہ یہاں لانے کیلئے راضی کرتا تم مسز کامران بن چکی ہوتی۔ بات کرتی ہے چلا جاتا۔ ہنہ۔ آخر حد تک کوشش کی اس نے۔''

''مسز کامران بننے کی بجائے میں موت کو ترجیح دیتی۔ کفن پہن لونگی لیکن کامران کے نام کا جوڑا۔ کبھی نہیں۔''

اسکے ارادے سن کر نبیلہ کانپ گئی۔

''تم بلاوجہ خود کو ہلکان کر رہی ہو۔ اس طرح غصہ کرنے سے کچھ ہونے والا تو ہے نہیں۔ پھر فائدہ جلنے کڑھنے کا۔'' نبیلہ نے رسان سے سمجھایا۔

''بلاوجہ؟ میں بلاوجہ بول رہی ہوں؟ میں آپکو پاگل لگ رہی ہوں کیا۔ بلاوجہ۔ ہنہ۔ آپ نے محبت کی ہوتی تو پتہ چلتا کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے کسی کو چاہ کر کسی اور کا ہو جانا۔ زندگی ویران ہو جاتی ہے، دم گھٹنے لگتا ہے، سب کچھ برا لگتا ہے حتیٰ کہ اپنا آپ بھی۔'' بنا سوچے سمجھے بولتے ہوئے وہ نبیلہ کے جذبات مجروح کر گئی۔

''صحیح کہتی ہو زندگی ویران ہو جاتی ہے اور ویران جگہوں میں آسیب بسیرا کرتے ہیں۔''
وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ اسکی بڑبڑاہٹ عنایہ سن نہ پائی۔ سن بھی کیسے سکتی تھی وہ اپنے عشقِ غم میں مبتلا تھی۔ ہاشم کو کھو دینے کا تصور جان لیوا وسوہانِ روح تھا۔

اذانِ عشق عام روحوں کو سنائی نہیں دیتی
الہامِ عشق ہو تو دل میں وحی نازل ہوتی ہے

''نہ یہ بتا تجھے کس بیوقوف نے کہا تھا جانے کو۔ ہم میں سے کسی کو ساتھ نہیں لے سکتا تھا؟ ایڈا توں (اِتنے تم) پھنے خان۔'' چوہدری کبیر نے جی بھر کر اسکو سنائیں۔
''آ آ۔ آرام سے یار۔ کس چیز کا بدلہ لے رہا ہے مجھ سے۔'' گرم گرم سکائی کرنے سے ہاشم کی چیخیں نکل گئیں۔
''بدلہ تو تم نے خود سے لیا ہے صاب بہادر۔ ایڈا تو شیر ٹھیر دا۔ کلا ہی ٹر پیا (اِتنے تم شیر ٹھہرتے۔ اکیلے ہی چل پڑے)۔'' کبیر بولا۔
''دیکھ ہاشم، بڑوں کے کئے گئے فیصلے نہ صرف درست بلکہ پائیدار ہوتے ہیں۔ تم انکل سے بات تو کرتے شاید وہ مان جاتے۔ اب بھی کسی نہ کسی طرح راضی کرو۔ باعزت طریقے سے رشتہ جائے گا تو انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔'' شجاعت نے کہا۔ کبیر اور نبیل نے اثبات میں سر ہلایا۔
''شجاع ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اگر تم کہو تو ہم بات کریں انکل سے۔''
''کوئی فائدہ نہیں۔ مرتے مرجائیں گے لیکن ذات پات کے خول سے باہر کبھی نہیں نکلیں گے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا۔

''کم از کم امی ہی ساتھ چل پڑتیں مجھے یوں اکیلے نہ جانا پڑتا رشتہ لے کر نہ یہ سب ہوتا۔ آہ، آ آ۔ یار ہتھ ہولا رکھ۔''

''وہ کبھی انکل کیخلاف گئی ہیں جواب جاتیں۔'' نبیل نے کہا۔

''کورٹ میرج کرلو۔'' کبیر نے مشورہ دیا۔

''دماغ خراب ہے تیرا۔'' پیٹھ کے بل لیٹتے ہوئے بڑبڑایا۔

''ایسے تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا یار۔'' کبیر نے سکائی والا کپڑا تقریباً پٹختے ہوئے کہا۔

''نہ جب تجھے پتہ تھا تیرے خاندان میں برادری سے باہر شادی نہیں کرتے تو کیا ضرورت تھی عنایہ کو اس مقام تک لانے کی؟'' کبیر سخت تپا ہوا تھا۔

''نبیل صحیح کہہ رہا ہے۔ محبت کرنے سے پہلے اپنے والد محترم سے اجازت لے لیتے کہ ابا میں برادری سے باہر لڑکی سے محبت کرنے کی اجازت ہے۔ کم از کم کسی لڑکی کی زندگی برباد نہ ہوتی۔'' نبیل کے لہجے میں چھپا طنز وہ صاف محسوس کرسکتا تھا۔

وہ ذات پات کے سخت خلاف تھا۔ وہ ہاشم کے خاندان سے متنفر ہوچکا تھا جنہوں نے نبیل کا رشتہ یہ کہہ کر مسترد کردیا گیا تھا کہ وہ لوگ اپنی برادری سے باہر رشتہ نہیں کرتے۔ برادری سے باہر کسی صورت نہیں جانا۔ چاہے لڑکی ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی رہ جائے یا کماؤ پوت لڑکا بڑھاپے کو پہنچ جائے۔ نبیل ہاشم کی بہن ہادیہ کو پسند کرتا تھا۔ نبیل نے ہاشم کے کہنے پر اپنی والدہ کو اس آس پر بھیجا کہ ہاشم سے پرانی دوستی ہے چوہدری وجاہت سے بھی اچھی سلام دعا ہے وہ ضرور مان جائیں گے لیکن سب برعکس ہوا۔ ذات برادری، جان پہچان پر بھاری پڑ گئی۔ ہاشم خوب تلملایا باپ کو سمجھایا مگر بیکار گیا۔

''غلطی تمہاری ہے ہاشو۔ نہ تم ہٹ دھرمی دکھاتے نہ بات بڑھتی۔ جتنا تم نے بتایا اس

سے صاف ظاہر تھا کہ انکل آنٹی جاتے تو وہ لوگ انکار نہ کرتے۔تم سیدھی طرح اٹھ کر آجاتے۔پھر گھر والوں کو منا کر لیجاتے۔'' نبیل صاف گوئی سے بولا۔

''میں مر بھی جاتا تو بھی پاپا نہ مانتے۔امی نے ٹکا سا جواب دے دیا۔ مجھے خود ہی جانا پڑا۔''

''نہ کونسا تیر مار لیا تو نے جا کر۔'' کبیر تڑخ کر بولا۔

''تو اپنی بکواس بند نہیں کر سکتا کیا۔کس بات پر تڑخ رہا ہے اتنا۔'' ہاشم کو غصہ آ گیا۔

''مرد اور عورت کی محبت میں فرق ہوتا ہے ہاشو۔مرد کبھی نہ کبھی اپنی محبت بھول جاتا ہے پر عورت اپنی پہلی محبت نہیں بھولتی۔عنایہ تمہارے معاملے میں بہت پوزیسو ہے۔'' نبیل نے رسان سے کہا۔ہاشم کے چہرے پر بکھرے دھنک رنگ بتا رہے تھے وہ بھی عنایہ کو لے کر سنجیدہ ہے۔اسکو بے پناہ چاہتا ہے۔

''جانتا ہوں وہ مجھے بے تحاشا چاہتی ہے، بے پناہ، خود سے بھی زیادہ۔ میں بھی اسے بہت محبت کرتا ہوں نبیل۔اسلئے گیا تھا رشتہ لے کر۔ورنہ وہ کامران کا بچہ لے اڑتا۔''

''لے آیا رشتہ پھر؟ کر دی اسکے کار (گھر) والوں نے ہاں؟ منکر ہو گئے کامران کے رشتے سے؟ آیا وڈا چوہدری (آیا بڑا چوہدری) مار کھا کر آ گیا۔تیری جگہ میں ہوتا تو لڑکی ساتھ لے کر ہی آتا۔مرتا یا مار دیتا۔'' کبیر کی جلی کٹی باتوں سے اسکے غصے کا صاف پتہ چل رہا تھا۔

''جا جا آیا بڑا چوہدریوں کا علمبردار۔زیادہ باتیں نہ بنا۔چائے بنا۔'' ہاشم نے دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔وہ مزید باتوں کے موڈ میں نہ تھا۔

کبھی توڑ دیتی ہے، کبھی تار دیتی ہے
محبت چیز ہی ایسی ہے جو مار دیتی ہے

''عنایہ! کچھ کھالو۔ کب تک یوں بھوکی پیاسی بیٹھی رہو گی؟'' نبیلہ نے التجائیہ لہجے میں کہا تو عنایہ نے عجیب نظروں سے دیکھا۔ نبیلہ کو جھرجھری آ گئی۔

''اگر ہاشم کے والدین آ جاتے تو یہ نوبت نہ آتی۔'' نبیلہ نے کہا۔

''اب سارا ملبہ ہاشم پر گرا رہی ہیں۔ اس وقت تو بہت سپورٹ کر رہی تھیں کہ وہ خود آ گیا وغیرہ وغیرہ۔ وہ خود آ گیا کیا یہ کافی نہ تھا؟ یہاں سے رسوا ہو کر چلا گیا اور مجھے کسی نے بتانے کی زحمت بھی نہ کی۔ غصہ تو اس بات کا ہے اس نے بھی ایک میسج تک کرنا گوارا نہ کیا کہ آ رہا ہے۔ آیا اور مار کھا کر چلا گیا۔ اتنی بے عزتی۔ پاپا ایک بار مجھ سے پوچھ لیتے کہ میں واقعی انٹرسٹڈ ہوں یا نہیں۔ کیا فائدہ اتنی تعلیم دلانے کا، شعور کا جب لڑکیوں کو گائے کی طرح اپنی مرضی سے کہیں بھی ہانکنا ہوتا ہے۔'' وہ بات کرتے کرتے ہانپ سی گئی۔

''ہم لڑکیوں کو جتنی بھی تعلیم دلا دی جائے، کتنا بھی اعتماد بخش دیا جائے، خودمختار بنا دیا جائے مگر زندگی کا اہم فیصلہ کرتے وقت اس قابل بھی نہیں سمجھا جاتا کہ پوچھ لیا جائے آیا مرضی ہے بھی یا نہیں۔'' بات مکمل کی۔

''تم غلط بیانی کر رہی ہو عنایہ۔ کوئی تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر رہا۔ مما پاپا سمجھدار ہیں۔ ہاشم کی موجودگی یہ بتانے کیلئے کافی تھی کہ تمہارے کہنے پر ہی وہ آیا ہے۔ انہوں نے بس ایک شرط رکھی ہے کہ ہاشم کے والدین کی رضامندی سے شادی ہو تا کہ تمہیں عزت و مقام کے ساتھ اپنایا جائے۔ اور تم ہی بتاؤ اس میں غلط کیا ہے؟''

''اب ایسا بھی نہیں ہے آپی۔ تایا ابو نے ندرت آپا کی شادی اس جگہ کی جہاں انکی

رضامندی تھی حالانکہ نصیر بھائی کی فیملی بھی راضی نہیں تھی نہ انہوں نے شرکت کی۔"

"سمن پھپھو کی غزالہ، گڈی خالہ کا بیٹا زوہیب، چھوٹی پھپھو کے دونوں بچے۔ دور نہ جائیں تو ہمارے اپنے بھائیوں نے پسند کی شادیاں کیں سوائے احسن بھائی کے اور سب کے والدین کی رضامندی سے رشتے طے ہوئے نہ کہ۔" الوینہ کے آنے پر نبیلہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔

"تمہارا فون ہے۔" نبیلہ کا رنگ اڑ گیا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔ کسی نے دیکھ لیا تو قیامت آجائے گی۔ واپس لے کر جاؤ۔"

"ایک منت ایک منٹ۔ یہ سب کیا ہورہا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی اس گھر میں کیا چل رہا ہے۔ مجھے یونیورسٹی جانے سے منع کردیا، گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگادی، موبائل فون لے لیا۔ اب فون سننے پر قیامت کا آنا۔ چہ معنی دارد؟" وہ پریشان ہوگئی۔

"تم پہلے بات کرلو پھر بتاتی ہوں۔ وہ کئی بار فون کرچکا ہے۔" الوینہ نے نبیلہ کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"الوینہ! یہ فون لے کر جاؤ۔" نبیلہ نے فون آف کرکے اسکو پکڑاتے ہوئے کہا۔

"مجھے بات کرنی ہے ہاشم سے۔" عنایہ اڑ گئی اور فون جھپٹنے کی کوشش کی۔

"الوینہ! تم بتاؤ آخر میرے ساتھ ہو کیا رہا ہے؟ مجھ سے میرا فون لے لیا گیا، یونیورسٹی جانے پر پابندی لگادی ہے اور اب یہ۔"

"پرسوں تمہارا نکاح ہے کامران کیساتھ۔" عنایہ کے سر پر پہاڑ توڑا۔ الوینہ کے حقیقت بتانے پر نبیلہ نے نظریں جھکالیں۔ عنایہ نے ملامتی نظروں سے اپنی بہن کو دیکھا۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔ میرے موت کا سامان کیا جارہا ہے اور مجھے ہی کو خبر نہیں۔ واہ۔ کیا

بات ہے۔'' اس کا غم و غصے سے برا حال ہو گیا۔

''دیکھو عنایہ ہاشم کو موقع دیا کہ وہ اپنے والدین کو۔''

''بس نبیلہ آپی۔ چلی جائیں آپ۔ میں آپکو اپنا خیر خواہ سمجھ رہی تھی لیکن آپ بھی سب کیساتھ شامل ہیں۔'' اس نے نبیلہ کی بات کاٹ دی۔

''بھابھی! کتنا سپورٹ کریں گی اپنے بھائیوں کو؟ آپ نے ارصم بھائی جیسے ہیرے کو گنوا کر اپنی زندگی برباد کر لی اب کم از کم اپنی بہن کی تو تباہ نہ کریں۔ وہ لوگ بھی ذات پات کے قیدی تھے ان سلاخوں سے باہر نہ جانا چاہتے تھے تب بھی یہی شرط رکھی تھی شبیر بھائی اور چچا جان نے کہ اپنے پیرنٹس کو لاؤ۔ ارصم بھائی نے آپکو کورٹ میرج کرنے کو کہا مگر آپ۔ آپ اپنے پاپا اور بھائیوں کی عزت کی علمبردار بنی اپنا آپ قربان کر بیٹھیں۔ کیا ملا جنید بھائی کیساتھ شادی کر کے؟ جبکہ خوشی تو آپکی ارصم بھائی تھے۔ کتنی محبت کرتی ہیں آپ جنید بھائی سے؟'' الوینہ کا لہجہ اسکے غصے کا غماز تھا۔

''جواب نہیں ہے نا۔ ہوگا بھی کیوں آپ بھلا کیوں پیار کرنے لگیں۔ آپ انکی زندگی میں تو شامل ہو گئی ہیں لیکن دل۔ دل آپکا اب بھی ارصم بھائی کی طرف ہے۔'' الوینہ کا حد درجہ سچ اس کو بے مول کر گیا۔ وہ اپنی ہی نظروں سے گر گئی۔

''اللہ کے واسطہ اپنی بہن پر رحم کھائیں۔ ہر کسی کا دل آپکی طرح بڑا نہیں ہوتا کہ ایسی دوغلی زندگی جیئے۔'' الوینہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

''میں نے مما پاپا سے بات کی تھی۔ ان دونوں نے فیصلہ بیٹوں پر چھوڑ دیا ہے۔ میں شبیر بھائی اور زبیر کے پاس بھی گئی لیکن وہ لوگ نہیں مانے۔ ہاشم اس دن ہٹ دھرمی دکھانے کی بجائے شرافت سے چلا جاتا اور پیرنٹس کو ساتھ لے آتا تو یہ نوبت آتی ہی نہیں۔ وہ ان سکیور

ہو گئے کہ کہیں تم کوئی غلط قدم نہ اٹھالو اسلئے تم سے۔"

"بس اتنا بھروسہ تھا انکو اپنی بہن پر؟ اتنا جانتے تھے وہ عنایہ کو؟ خوشی ہوئی جان کر۔ آئی ایم سو ہیپی ٹو ڈے ٹو نو ڈیٹ۔" تالیاں بجاتے ہوئے نم لہجے میں بولی تو نبیلہ نے اسے گلے سے لگالیا۔ عنایہ نے اسکو پیچھے دھکیل دیا۔

"مجھے ان سے شکوہ نہیں۔ بالکل نہیں۔ وہ بھائی ہیں کچھ بھی سوچ سکتے ہیں میرے بارے میں۔ مگر مما پاپا۔ وہ کیسے سوچ سکتے ہیں میرے بارے میں کہ میں۔ بدنصیبی میری۔" سر گھٹنوں میں دیئے وہ رو پڑی۔

"یہی دکھ مجھے ہے۔ پہلے نبیلہ بھابھی اور اب تم۔ پیرنٹس تو بعد میں مان ہی جاتے ہیں پھر کیوں لڑکی کے جذبات کی قدر نہیں کی جاتی۔ کیوں گائے بیل کی طرح کہیں بھی ہانک دیا جاتا ہے جہاں وہ دل سے شوہر کو چاہ نہیں سکتی کیونکہ انکی چاہت کوئی اور ہوتا ہے۔ آپ بتائیں بھابھی۔ کتنا چاہتی ہیں جنید بھائی کو؟ انکی ہر ضرورت کا خیال رکھتی ہیں، ان کی عزت کرتی ہیں، انکی ہر بات پر لبیک کہتی ہیں۔ مگر۔ مگر ارصم بھائی کو بھلا سکتی ہیں کیا؟" الوینہ نے اپنا بازو عنایہ کے گرد لپیٹ کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے نبیلہ سے پوچھا تو اس نے سر جھکالیا۔ کیا جواب دیتی کہ عورت سب بھول جاتی ہے مگر پہلی محبت نہیں بھول سکتی۔ وہ بھی چاہتے ہوئے نہیں بھول سکتی۔

"جنید بھائی کو یہ نہیں معلوم کہ آپ کسی اور کو پسند کرتی تھیں ورنہ وہ یہ شادی نہ کرتے۔ اللہ سے دعا ہے انکو پتہ چلے بھی نہ تاکہ وہ اسی طرح آپ سے محبت کرتے رہیں۔ وہ میرے بھائی ہیں میں چاہتی تھی ان کی زندگی میں مکمل لڑکی شامل ہو جسکے دل میں۔"

"بس الوینہ۔ میرے جذبے اتنے ارزاں نہیں جنہیں تم یوں بے مول کر دو۔ ہاں یہ سچ

ہے میں اس شادی سے خوش نہیں تھی، میں نے شادی مجبور ہو کر کی تھی لیکن انکی عزت کرنا میری مجبوری نہیں۔ انکی محبت، خلوص اور چاہت دیکھ کر میرے دل میں انکا مقام خود بخود بن گیا مجھے پتہ بھی نہ چلا۔ مجھے لگتا تھا میں ارصم کے بغیر نہیں رہ سکتی، اسکو کو بھول نہیں سکتی لیکن اسکا نام ماضی کی کسی کتاب میں بند ہو چکا ہے بلکہ کب کا بند ہو چکا ہے۔ چار سال۔ ہاں اس نام پر دل میں ٹیسیں اٹھتی ہیں مگر شدت ویسی نہیں رہی۔ میرا حال میرا مستقبل صرف جنید ہیں۔ انکا خیال رکھتی ہوں، عزت کرتی ہوں اور ایک دن آئے گا دل سے محبت بھی کرونگی اس سے بھی زیادہ جتنی اب کرتی ہوں۔ خدارا آئندہ میرے جذبوں پر شک مت کرنا۔"

وہ تینوں خاموش تھیں۔ عنایہ کی سسکیاں دم توڑ چکی تھیں۔ فون بار بار بج کر بند ہو رہا تھا۔ الوینہ نے دیکھا۔ ہاشم کی سترہ مسڈ کالز دیکھ کر نبیلہ نے فون عنایہ کی طرف بڑھا دیا۔

"کرلو بات۔"

عنایہ نے منہ پھیر لیا۔

"ممکن ہے پھر کبھی بات نہ ہو۔ بہتر ہے جو بات کرنی ہے کرلو۔" نبیلہ کا لہجہ غیر متوازن ہوا۔ وہ جانتی تھی محبوب کو کھونا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ہمت و حوصلہ چاہیے ہوتا ہے۔ الوینہ کمرے سے جا چکی تھی۔

"ہاشم۔" جیسے ہی اس نے کال اٹھائی عنایہ کی سسکتی آواز سن کر بے چین ہو گیا۔

"کیسی ہو عنایہ؟ یونیورسٹی کیوں نہیں آرہی۔ تمہارا نمبر بھی بند جا رہا ہے۔ سب خیر تو ہے؟" ایک ساتھ سوالات پوچھنے پر وہ پھیکی سی ہنسی۔

"پرسوں میرا نکاح ہے۔"

"واٹ؟ ہوش میں تو ہو؟ کک کیا کہہ رہی ہو؟" وہ پریشان ہو گیا۔

''ہوش وحواس میں ہی تم سے بات کر رہی ہوں۔اس سے پہلے کہ حواس کھو بیٹھوں اور کچھ کر جاؤں مجھے یہاں سے لے جاؤ۔'' نبیلہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا جیسے اپنی سماعت پر شبہ ہو۔

''عنایہ یہ کیا کہہ رہی ہو۔'' نبیلہ نے اسکو مخاطب کیا جسے اس نے ان سنا کر دیا۔

''ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔''

نبیلہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔عنایہ کی باتوں سے، لہجے سے۔تاثرات سے بغاوت کی بو آ رہی تھی۔

''یار تمہارے گھر والے تھوڑا سا صبر نہیں کر سکتے۔میں نے وقت مانگا تھا پاپا کو راضی کرنے کیلئے۔''

''تم نے صبر کرنے کی کسر چھوڑی کہاں ہاشم۔ بلاوجہ الجھنے کی بجائے چپ چاپ چلے جاتے پھر کسی بڑے کو لے آتے تو شاید بات بن جاتی۔مگر تم نے لڑائی کر کے بات ہی ختم کر دی۔'' اس نے جان بوجھ کر بات ہاشم پر ڈال دی۔حالانکہ وہ بھی جانتی تھی کہ شبیر نے کام خراب کیا تھا۔

''کیسے آ جاتے بڑے؟ تمہاری امی نے صاف منع کر دیا کہ کامران کیساتھ ہی شادی ہو گی۔ مجھے اپنے والدین کو لانے کی ضرورت نہیں۔دوسری بات والدین کو منانے میں وقت لگتا لیکن تمہارے گھر والے تو سب طے کر کے بیٹھے ہوئے تھے۔کامران سے شادی کیلئے تیار بیٹھے تھے۔'' ہاشم نے صفائی دی۔وہ خاموش رہی۔

''اس دن کیلئے آئی ایم سوری۔'' اس نے معذرت کی۔

''سوری کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پرسوں نکاح ہے۔آ سکتے ہو تو وقت سے پہلے آ جانا ورنہ۔'' یہ کہہ کر اس نے فون کاٹ دیا۔سیل بند کر کے نبیلہ کو پکڑا دیا۔ہاشم ہیلو ہیلو کہتا رہ گیا۔

''تم نے کیا کہا؟'' نبیلہ نے تصدیق چاہی۔

''جو آپ نے سنا۔ یا تو وہ مجھے لے جائے یا۔'' ادھوری بات کر کے وہ خاموش ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب تاثر دیکھ کر نبیلہ کو جھرجھری آ گئی۔

''عنایہ۔''

''بولیں۔''

''تم نے کہا تھا کہ تم اپنے گھر کی عزت خاک میں ملانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ ابھی تو تم بھائیوں اور مما پاپا کی سوچ پر کڑھ رہی تھی۔ پر اب۔ اب تم وہی کرنے کا سوچ رہی ہو جسکو نہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تم۔ قول و فعل میں تضاد نہیں؟'' نبیلہ دل کی بات زبان پر لے آئی۔

''انکو مجھ پر بھروسہ ہے ہی نہیں جس کا ثبوت میرا یونیورسٹی پر پابندی اور سیل فون لینا ہے۔ اگر کر گزروں گی تو زیادہ دکھ نہ ہوگا کیونکہ وہ یہ توقع مجھ سے کر بیٹھے ہیں کہ میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔'' اسکا لہجہ، اسکے الفاظ تاثرات سے عاری تھے۔

''مما پاپا نے میری زندگی کی دوڑ بھائیوں کے ہاتھ میں تھما دی۔ آخر کیوں؟ یہ میری زندگی ہے۔ فیصلے کا اختیار بھی مجھے ہونا چاہیے نہ کہ انکو۔ اور ویسے بھی ہاشم نے وقت مانگا تھا نا۔ انتظار کر سکتے تھے۔ مگر نہیں۔ کرنا وہی ہے جہاں انکی مرضی ہوگی، جہاں زبان دی ہے۔ عزت پر حرف نہ آئے بھلے بیٹی کی خوشیاں داؤ پر لگ جائیں۔ مجھ سے اس بابت کسی نے بات تک نہیں کی۔ پرسوں نکاح ہے میرا اور مجھ ہی کو خبر نہیں۔ یہاں تک کہ آپ نے بھی بتانا گوارا نہ کیا۔'' وہ سب سے متنفر ہو چکی تھی۔

''سب جانتے ہیں کہ میں اور ہاشم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں پھر مجھ سے پوچھے بغیر، میری رضامندی کے بغیر کیسے خالہ کو نکاح کیلئے ہاں کر دی؟ میں پسند کی شادی کروں یہ کسی کو منظور نہیں اسی لئے ہاشم کو ذلیل کر کے گھر سے نکالا گیا تا کہ وہ پلٹ کر نہ آئے۔''

نبیلہ خاموشی سے اسکی باتیں سن رہی تھی۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی اگر انکو ہاشم سے شادی پر اعتراض نہ ہوتا تو اسے بے عزت کر کے نہ نکالا جاتا۔ عنایہ کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے اسکو وقت دیا جاتا کہ اپنے والدین کو راضی کر کے لائے۔

عنایہ کیساتھ وہی کچھ کیا جا رہا تھا جو نبیلہ کیساتھ چار سال پہلے ہوا۔ چار سال پہلے ارصم اسی صوفے پر بیٹھا نبیلہ کا ہاتھ مانگ رہا تھا۔ اسکو خوش رکھنے کی یقین دہانی کروا رہا تھا۔ پروفیسر ماجد اور بھائی اسی طرح اسکو باتوں کے جال میں الجھا رہے تھے کہ والدین کی رضامندی کے بغیر بیٹی نہیں دینی۔ اسکے جاتے ہی ہفتے کے اندر اندر اسکی شادی جنید سے کر دی گئی۔

ایک ماہ بعد ارصم والدین کو منا کر لایا تو وہ نبیلہ ماجد سے نبیلہ جنید بن چکی تھی۔ کس قدر کٹھن اور تکلیف دہ سفر تھا اس سے بڑھ کر کوئی نہیں جان سکتا۔ اس میں والدین کے خلاف جانے کی ہمت نہ تھی۔ محبت جیسی مضبوط چٹان سر کرنے والی وہ کمزور دل لڑکی تھی جسکو والدین کی عزت عزیز تھی۔ جانے کیسے والدین تھے جنہوں نے زبان کا بھرم رکھنے کیلئے پہلے ایک بیٹی کی خوشیوں کو قربان کیا۔ اب دوسری بیٹی کی باری تھی۔ پہلی بیٹی نے تو سر خم کر دیا تھا۔ پر عنایہ کے اندر باغی جذبے سر اٹھا رہے تھے۔ وہ یہ ناانصافی نہ ہونے دینا چاہتی تھی۔

محبت انسان کو طاقت ور بنا دیتی ہے۔ یا اس میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ اپنے حق کیلئے سب سے لڑ پڑے۔ کمزور سے کمزور انسان اپنی محبت کو کھو دینے کے ڈر سے بزدلی کے خول سے نکل آتا ہے، سب سے لڑتا ہے، الجھتا ہے۔ اپنے حق کو پانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ عنایہ بھی ان میں سے ایک تھی۔

"میں مما پاپا کے پاس جا رہی ہوں بات کرنے۔ آ کر تمام صورتحال سے مطلع کرتی ہوں۔" نبیلہ سے سیل لے کر ہاشم کو میسج کیا۔

یہی تاریخ کہتی ہے یہی حالات کہتے ہیں
عداوت تم نہ بھولو گے محبت ہم نہ بھولیں گے!

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' دروازہ کھٹکھٹا کر اجازت ملنے کا انتظار کیے بغیر وہ اندر داخل ہوگئی۔

''بیٹھو۔ کہو کیا بات کرنی ہے۔'' پروفیسر ماجد نے کہا۔

''اگر ہاشم سے متعلق کوئی بات ہے تو ہمیں اس پر مزید نہ کچھ کہنا ہے نہ سننا۔ ہاں کوئی اور بات ہے تو ہم سن رہے ہیں۔'' مسز ماجد کا رویہ عنایہ کیلئے نیا تھا۔ اس نے حیرانگی سے ماں کو دیکھا۔ پروفیسر ماجد نے کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

''لیٹ ہر سپیک Let her speak۔'' انہوں نے اپنی بیوی سے کہا۔

''آپ لوگ میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے پاپا۔'' وہ براہ راست باپ سے مخاطب ہوئی۔ ''میں بالغ ہوں۔ میری مرضی کے بغیر کیسے میری شادی کہیں بھی کر سکتے ہیں۔''

''تمہاری شادی ''کہیں بھی'' نہیں ہو رہی تمہاری خالہ کے بیٹے سے ہو رہی ہے۔'' پروفیسر ماجد کے بولنے سے پہلے مسز ماجد نے جواب دیا۔

''کیا آپ مجھے پاپا سے بات کرنے دیں گی؟'' عنایہ نے منہ موڑے ماں سے پوچھا۔

''میرا جواب تمہاری ماں کے جواب سے الگ نہیں ہوگا بیٹا۔ تم کیسے ایک ایسے شخص کیساتھ زندگی گزار سکتی ہو جہاں اسکے گھر والے تمہیں اپنانے کو تیار نہ ہوں؟ یہاں بات پسند ناپسند کی نہیں ہے بیٹا۔ ذات پات کی ہے۔ وہ لوگ اپنی برادری کو اہمیت دیتے ہیں اس شیل سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ تم وہاں مس فٹ ہوگی۔''

''ہاں یہ سچ ہے کہ وہ لوگ ذات برادری کے حصار سے نہیں نکلنا چاہتے۔ٹھیک ہے نا۔ مت نکلیں۔ مجھے پرواہ نہیں۔ میں نے زندگی ہاشم کیساتھ گزارنی ہے نہ اسکے والدین کیساتھ۔ اسکا اپنا گھر ہے ہم وہاں رہیں گے۔'' عنایہ نے اپنے طور مسئلے کا حل پیش کیا۔

''نورین آپا تمہاری خالہ ہیں۔ کامران کو تم بچپن سے جانتی ہو۔ دیکھے بھالے گھر میں جاؤ گی ایڈجسٹ ہونے کا مسئلہ نہیں ہوگا۔ وہ لوگ تمہیں خوش رکھیں گے۔ نبیلہ کو ہی دیکھ لو۔ کتنا خوش ہے اپنے گھر۔ جنید کتنا چاہتا ہے اسے۔'' مسز ماجد نے اپنے تئیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''جب دل بار بار دل میں بسنے والی کی چاہ کرے تو کسی اور کیساتھ زندگی گزارنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا مما۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کتنا خوش رکھے گا یا کتنا نہیں۔ میری خوشی ہاشم ہے۔ رہی بات ایڈجسٹ منٹ کی تو مما یہ لڑکی کو ہر جگہ کرنی ہی پڑتی ہے چاہے شادی اپنوں میں ہو یا غیروں میں۔''

''بہت بدلحاظ اور بے شرم ہو گئی ہو۔ یہ اسی محبت کا اعجاز ہے جس نے تمہیں بے لگام گھوڑے کی طرح ماں باپ کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔''

''کچھ بھی کہہ لیں مما۔ یہ طے ہے کہ مجھے کامران سے شادی نہیں کرنی۔ بالکل بھی نہیں، کسی صورت نہیں۔'' اس نے اپنا آخری فیصلہ سنایا۔

''یہ کس انداز میں بات کر رہی ہو اپنی ماں سے۔'' پروفیسر ماجد نے ڈپٹا۔

''بالکل اسی طرح جیسے یہ مجھ سے بات کر رہی ہیں نورین خالہ کی بہن بن کر۔ میرے ساتھ ناانصافی ہے پاپا۔'' وہ گڑگڑائی۔

''ماں باپ اپنی اولاد کا برا نہیں سوچتے۔'' پروفیسر ماجد نے کہا۔

''میری مرضی کے بغیر شادی کر کے کیا اچھا کیا جا رہا ہے؟''

''پرسوں تمہارا نکاح ہے تیار رہنا۔اب جاؤ۔'' مسز ماجد نے بات ختم کی۔

''میں انکار کردونگی۔'' وہ اکڑ گئی۔

''ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔تمہارے انکار کے بعد میں نے خود کو ختم نہ کرلیا تو نگین ماجد نام نہیں میرا۔'' عنایہ جو دروازہ کھول کر جانے کو تھی پلٹ کر ملامتی نظروں سے ماں کو دیکھا جنہوں نے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔

''بال تمہارے کورٹ میں ہے۔'' عنایہ نے جاتے جاتے سنا۔

❁.....❁.....❁

''آپکو کیا ہوا ماجد؟ خاموش بیٹھے ہیں۔'' ہاتھوں میں لوشن لگاتے ہوئے وہ پروفیسر ماجد سے مخاطب ہوئیں۔

''نگین آپکو نہیں لگتا کچھ غلط ہورہا ہے؟ جانے انجانے میں ہم اپنی اولاد کیساتھ زیادتی کر رہے ہیں؟ نبیلہ،احسن۔اب عنایہ۔شبیر اور زبیر نے اپنی مرضی سے شادی کی حالانکہ زبیر کیلئے مجھ سے صدیق نواز نے اپنی یتیم بھتیجی کی بات کی تھی۔آپکی رضامندی سے ہم نے شگن ڈالا۔ پر کیا ہوا۔اس نے اپنی پسند کی شادی کرلی ہماری رضامندی و مرضی کیخلاف۔'' پروفیسر ماجد کے چہرے پر فکرمندی کے آثار گہرے ہوگئے۔

''آپ بلاوجہ پریشان ہورہے ہیں۔نبیلہ نے ہماری پسند کی شادی کی۔دیکھ لیں کتنا خوش ہے اپنے گھر میں۔احسن بھی اس چڑیل کو بھلا کر رومیسہ کا ہی ہوگیا ہے۔عنایہ کا رونا دھونا بھی وقتی ہے۔شادی کے بعد ٹھیک ہوجائے گی۔کامران اسکو بہت خوش رکھے گا۔''

''بالکل اسی طرح جیسے اسکی بہن نے ہم سب کو خوش رکھا ہوا ہے۔'' انکے لہجے میں کڑواہٹ گھل گئی۔اقصیٰ کی چرب زبانی سے سبھی خائف تھے۔پروفیسر ماجد کو وہ ایک آنکھ نہ

بھاتی تھی۔ وہ ضرورت سے زیادہ منہ پھٹ اور بدتمیز تھی۔ بہت کم کسی کا لحاظ کرتی تھی وہ بھی اپنے مطلب کیلئے۔ شبیر کی پسند نہ ہوتی تو وہ یہ شادی کبھی بھی نہ ہونے دیتے۔

''آپ بھی نا۔ اقصیٰ دل کی بری نہیں ہے۔ صاف گو ہے جو دل میں ہوتا ہے کہہ دیتی ہے۔'' نگین شرمندہ ہوگئی۔ کبھی کبھی اقصیٰ اسکا بھی لحاظ نہ رکھتی تھی۔

''اتنی صاف گوئی اچھی نہیں ہوتی نگین۔ بہرحال مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ تم جانو تمہاری بھانجی۔ میں عنایہ کی بات کر رہا تھا۔ ویسے بھی وٹہ سٹہ ایک نہیں دو گھر برباد کرتا ہے۔ چار لوگوں کی زندگیاں برباد کرتا ہے۔''

''حد ہوگئی ماجد۔ اپنے خدشات اپنے پاس رکھیں۔ آپا میری سگی بہن ہے اور بچے ایک دوسرے کے مزاج کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اپنا اچھا برا سب سمجھتے ہیں۔''

''ویسے بھی آپ نے خود ہی تو اس لڑکے کو کہا کہ ماں باپ کے بغیر شادی کرنے سے ہماری بیٹی کی کوئی عزت نہیں کرے گا وغیرہ۔ اب خود ہی بلاوجہ کے واہموں میں الجھ کر پریشان ہو رہے ہیں۔ کمال ہیں آپ بھی۔'' کمبل اوڑھتے ہوئے بولیں۔

''نگین بیگم! آپ شاید بھول رہی ہیں ہمارے بیٹے نے بھی ہماری مرضی کیخلاف جا کر شادی کی۔ ہم کتنا عرصہ ناراض رہے؟ آخر کو مان ہی گئے نا۔ اسکے والدین بھی مان ہی جاتے۔ ابھی بھی وقت ہے اگر ہم۔''

''آپکا دماغ تو ٹھیک ہے۔ پرسوں نکاح ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ۔ میں کہاں جا کر سر پھوڑوں اپنا۔'' پروفیسر ماجد کی بات کاٹ کر بولتے ہوئے منہ کمبل کے اندر کر لیا یعنی مزید بات کی گنجائش نہیں۔ وہ تاسف اور افسوس سے اپنی شریکِ حیات کو دیکھتے رہے جو منہ موڑے سکون کی نیند سو رہی تھی۔ وہ ہمیشہ نگین کی سنتے آئے تھے۔ ہر معاملے میں انہوں نے نگین کی

بات کی مانی حتیٰ کہ بچوں کے مستقبل کے فیصلے کا اختیار بھی اپنی بیوی کو سونپ دیا۔انہیں ایسا احساس پہلے کبھی نہ ہوا جیسا اس وقت ہو رہا تھا۔دل انجانے خدشے سے دھڑک رہا تھا۔یوں لگتا تھا کچھ ہونیوالا ہے۔کوئی انہونی ہونے کو تھی۔وہ یہ بات نگین کو بتانا چاہتے تھے مگر وہ پرسکون سو رہی تھیں۔کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے انکی ٹانگیں شل ہو گئیں۔کسی پل چین نہ آ رہا تھا۔دروازے پر دستک ہوئی مگر وہ اپنے ہی خیالوں میں مگن تھے۔

''اندر آ جاؤ۔'' پروفیسر ماجد نگین کی آواز سن کر ایکدم چونکے۔

''تم دونوں اس وقت۔خیر تو ہے؟ کیا بات ہے؟'' پروفیسر ماجد کا دل لرز گیا۔

''آپ دونوں سے ضروری بات کرنی تھی۔'' پروفیسر ماجد نے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

''آپ ہمارے بڑے ہیں ہم پر آپکا ہر حکم بجالانا فرض بنتا ہے۔کوئی شک نہیں کہ آپ دونوں جو بھی فیصلہ کریں گے صحیح کریں گے مگر ضروری نہیں ہر بار فیصلہ درست ہو۔'' احسن نے تمہید باندھے بغیر بات شروع کی۔

''جو کہنا ہے کھل کر کہو۔پہیلی مت بجھواؤ۔'' نگین نے کہا۔

''میں۔میں عنایہ کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ تھوڑا جھجک گیا۔

''اوہ۔تم دونوں بھی اسکی اسکی وکالت کرنے آ گئے۔ایسا کرو سب کو اکٹھا کرو اور پوچھو کس کس کو مجھ سے جرح کرنی ہے اس معاملے میں۔تاکہ میں ایک کی بار سب سے نپٹ لوں۔'' نگین بلاوجہ تپ گئیں۔

''اتنا ہائپر ہونے کی ضرورت نہیں نگین۔بچوں کی بات سن لو۔'' پروفیسر ماجد نے انکے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''کیا سنوں۔ یہ وہی کہیں گے جو تھوڑی دیر پہلے آپ کہہ چکے ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا اس معاملے کو اتنا سنجیدہ کیوں لیا جا رہا ہے؟ سب کی شادیاں اپنی مرضی اور پسند سے کی ہیں اتنا مسئلہ نہیں بنا جتنا اس مسلئے کو ہوا دے کر۔''

''مما مما، آپ پلیز تحمل سے ہماری بات سنیں۔ اس معاملے کو سنجیدہ لینا پڑ رہا ہے کیونکہ یہ معاملہ سنجیدہ ہے۔ عنایہ کی زندگی کا سوال ہے، اسکی خوشیوں کا سوال ہے۔'' احسن بات کاٹ کر التجائیہ انداز میں بولا۔

''سب کی مرضی کی شادیوں میں شبیر اور زبیر نہیں آتے نگین۔'' پروفیسر ماجد نے کہا۔

'' تم لوگ زیادہ خیر خواہ ہو اسکے۔ میری تو وہ کچھ لگتی نہیں۔ تمہاری شادی کی اس سے (رومیسہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کتنا ناخوش ہو؟ بتاؤ؟ نبیلہ کو بلاؤ اور پوچھو جنید نے کتنا سولی پر لٹکا کر رکھا ہے۔ خوش ہے نا اپنے گھر۔ تم نے تو خیر نہیں مگر اس نے کتنا واویلہ کیا تھا جنید سے شادی نہیں کرونگی خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ خود دیکھو کتنا خوش ہیں دونوں۔''

''ایک فارمولا ہر جگہ اپلائی نہیں کر سکتے مما۔ ضروری نہیں ہر بار مساوات برابر ہی ہو۔ رہی بات ہماری تو میرا اور نبیلہ باجی کا معاملہ الگ ہے۔''

''اچھا۔'' نگین نے اچھا کو لمبا کر کے کھینچا۔

''تم کہنا چاہتے ہو اصل محبت عنایہ نے کی اور تم دونوں۔ تم نے اور نبیلہ نے جھک مارا۔ یہی بات نا۔'' وہ کسی بھی بات ماننے کو تیار نہ تھیں۔

''محبت صرف محبت ہوتی ہے۔ یہ اصل یا نقل نہیں ہوتی۔ اصل نقل ہماری نیت ہوتی ہے، ہمارے ارادے ہوتے ہیں، یقین کی پختگی ہوتی ہے۔ میں نے اور نبیلہ باجی نے آپکے حکم پر سر خم کر لیا۔ عنایہ نہیں کرے گی آپ جانتی ہیں اسے۔''

''میں اپنی زبان سے نہیں پھر سکتی۔ کیا عزت رہ جائے گی آپا کے سامنے؟'' دوٹوک انداز۔ بات ختم۔

''یعنی زبان کی پاسداری کی خاطر بیٹی کی خوشیاں داؤ پر لگا سکتی ہیں۔''

''ممانی شادی کیلئے لڑکا لڑکی دونوں کا راضی ہونا ضروری ہے۔ مانتی ہوں احسن اور نبیلہ باجی نے آپکی پسند پر سر جھکا لیا مگر عنایہ باغی طبیعت کی ہے۔ ایسا نہ ہو وہ بغاوت پر اتر آئے اور کچھ غلط کر لے۔ ہاشم اچھے خاندان کا لڑکا ہے۔ کامران سے اچھی جاب۔'' رومیسہ نے پہلی بار زبان کھولی۔

''بس۔'' نگین نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔

''زبان سے پھرنا ہماری شان کیخلاف ہے۔ اسکی مثال تم ہو۔ تم۔ جو آج میرے گھر پر راج کر رہی ہو۔'' رومیسہ کا سر جھک گیا۔

''ہر مرد کا ظرف آپکے بیٹے کی طرح ہوتا ہے نا بیٹی میں حوصلہ کہ اپنی پسند، چاہت، خوشی اپنے والدین کی زبان کی پاسداری کیلئے قربان کر دے۔'' رومیسہ نے آخری بار کوشش کی۔

''بلاوجہ بات کو طول دینے کا فائدہ۔ تمہاری ماں زبان دے چکی ہے۔ جاؤ جا کر تیاریاں کرو۔'' پروفیسر ماجد نے شکستہ لہجے سے کہا۔

✡ ...... ✡ ...... ✡

کمرے میں آ کر وہ زار و قطار رو پڑی۔ نبیلہ وہیں اسکا انتظار کر رہی تھی۔ جانتی تھی مما پاپا نے کیا کہا ہوگا۔ بات زیادہ پرانی نہیں تھی۔ فرق نفوس کا تھا اس وقت نبیلہ نے گڑگڑا کر محبت کی بھیک مانگی تھی۔ آج عنایہ کاسہ لے کر بھیک مانگنے گئی تھی۔ اس وقت نبیلہ کے آنسو پونچھنے والا کوئی تھا نہ دلاسہ دینے والا۔ مگر عنایہ کو نبیلہ نے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ماضی

کے لگے گھاؤ سے خون رسنے لگا۔ زخم تکلیف دینے لگے۔ یہ تکلیف ارصم کو کھونے کی نہیں تھی بلکہ والدین کے غیر منصفانہ سلوک و نا انصافی کی تھی جنہوں نے اولاد کی خوشیوں پر ہمیشہ اپنی زبان و بھرم کو فوقیت دی۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا۔ اچھا برا سمجھا کر، پڑھا لکھا کر، عقل و شعور کی سیڑھیاں چڑھا کر اپنی مرضی سے گائے کی طرح کہیں بھی ہانک کر سمجھتے ہیں حق ادا کر دیا۔'' نبیلہ اسکے ساتھ سسک رہی تھی، تڑپ رہی تھی۔

''عنایہ ایسا کوئی قدم نہ اٹھانا جس سے خاندان کی عزت پر حرف آئے۔'' اسکے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے نبیلہ نے نم لہجے سے کہا۔

''جانتی ہوں۔ بتانے کی ضرورت نہیں۔'' عنایہ نے تڑخ کر جواب دیا۔ جانے وہ لوگ کیوں بدگمان ہو رہے تھے کہ عنایہ ایسا ویسا کچھ کرے گی۔ شاید وہ کر گزرے لیکن ماں کی دھمکی اسے بہر حال یاد تھی۔

''ہم لڑکیاں کتنا بھی پڑھ لکھ جائیں، اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائیں لیکن اپنی زندگی کے فیصلوں کیلئے خود مختار نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ یوں کہہ لو ہمارے پیرنٹس ان پیرنٹس میں سے ہیں جو بچیوں کو اعلیٰ تعلیم دے کر بھی خود مختاری کی اجازت نہیں دیتے۔ ایسا ہی ہم دونوں کے معاملے میں ہوا۔'' نبیلہ نے کہا۔

''آپ نے نا انصافی برداشت کر لی۔ میں نہیں کرونگی۔ اپنے حق کیلئے آخری حد تک جاؤنگی۔'' عنایہ کا فیصلہ حتمی تھا۔

''آخری حد۔ ہنہ۔ اسکا مطلب جانتی ہو۔ بدنامی۔ بے عزتی۔ لوگوں کے سوالات، انکی ذلت بھری و تمسخرانہ باتیں مما پاپا اور بھائیوں کو جیتے جی مار دیں گی۔'' نبیلہ سہم چکی تھی۔

''واہ واہ! آپکو اب بھی سب کی پروا ہے بلکہ سب کی کہاں عزت کی فکر ہے۔ لوگ کیا کریں گے؟ ماں پاپا بھائی کیسے سامنا کریں گے لوگوں کی نظروں کا، دِس اینڈ ڈیٹ۔'' اس نے تالی بجاتے ہوئے کہا۔

''عزت کی پرواہ کر کے قربانی دینے کیلئے آپ اور آپ جیسی ڈرپوک و بزدل لڑکیاں کافی ہیں۔ میں عزت کی خاطر اپنا آپ قربان کر سکتی ہوں، اپنی خوشیوں کو قربان کر سکتی ہوں لیکن کسی اور سے شادی کر کے اپنا آپ کسی اور کو سونپنے کی ہمت نہیں۔ اپنی زندگی کسی اَن چاہے مرد کیساتھ گزار کر میں اللہ کی بارگاہ میں گناہ گار نہیں ہونا چاہتی جہاں میرے دل کی مسند پر کوئی اور براجمان ہو اور زندگی کسی دوسرے کیساتھ گزاروں۔ یہ دوغلی زندگی میں نہیں جی سکتی۔'' چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ رو پڑی۔

''کہیں سنا تھا۔ کسی نے کہا تھا۔ نہیں نہیں شاید پڑھا تھا۔'' نبیلہ نے کہا اور خاموش ہو کر اس کے پیروں کے قریب گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔ عنایہ سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ آنکھیں رونے کے باعث سرخ ہو رہی تھیں، پپوٹے سوجے ہوئے تھیں۔

''تعلق بغیر محبت کے محض بوجھ ہوتا ہے اور بوجھ ہمیشہ کے لئے نہیں اٹھایا جا سکتا۔ کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں پھینکنا پڑتا ہے۔ پہلے پہل مجھے بھی لگتا تھا کہ میں زیادہ دن اس رشتے کو نہیں نبھا پاؤنگی۔ کسی موڑ پر، کسی مقام پر تھک کر اس بوجھ کو اتار پھینکوں گی یا جنید مجھے بوجھ سمجھ کر خود سے اتار پھینکے گے۔ آہ۔'' وہ لمحے بھر کیلئے چپ ہوئی۔

''دیکھ لو۔ یہ بوجھ کب مجھے متاعِ عزیز ہو گیا، میرے لئے کب لازم و ملزوم ہو گیا خبر ہی نہ ہوئی۔ جنید کی پرخلوص چاہت، بے لوث محبت، عزت و مان سے میرے دل میں ارصم کی محبت کے رنگ پھیکے پڑتے چلے گئے۔ پھر میرا دل سفید چادر کی طرح ہو گیا جس میں جنید کی محبت

نے نئے، خوبصورت اور دلکش رنگ بکھیر دیئے۔ میرا ہر رنگ ہر روپ انکا عنایت کردہ ہے عنایہ۔ مجھے امید ہے ایک نہ ایک دن تم بھی میری طرح کامران کے رنگ میں رنگ جاؤ گی۔''

''ہر لڑکی آپکی طرح نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی ضروری نہیں سب کا دل آپ کی طرح ہو۔ آپکو بے بقول ممکن ہے زندگی کے جھمیلوں میں الجھ کر کبھی نہ کبھی بھلا دوں۔ اوہ۔ آہ! نہیں نہیں۔ یہ سوچ آتی ہی نہیں۔ اسکو بھولنے والی بات نہیں مجھ میں۔ میں نبیلہ نہیں۔ میں ان لڑکیوں کی طرح نہیں جو بھول جائیں اپنی پہلا پیار، پہلی چاہت، پہلی نظرِ محبت۔ نہ نہ۔ میرا دل اتنا مضبوط نہیں ہے۔ اپنے جذبات واحساسات کو مار سکتی ہوں لیکن اپنا آپ کسی کو سونپ کر انکو پامال نہیں کر سکتی۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔'' ہانپتے ہوئے وہ رو پڑی۔ اسکا سانس پھولا ہوا تھا۔ ہاشم سے خود کو الگ کر کے ایسا پنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

''جانتی ہوں مشکل ہے۔ بہت مشکل ہے۔ بہت زیادہ مشکل ہے۔ اپنا آپ مارنا پڑتا ہے۔ مگر میرے کہنے پر یہ کڑوا گھونٹ بھر لو۔ مما پاپا کی عزت کی خاطر۔'' نبیلہ نے التجا کی۔

''کن کی عزت کی خاطر۔ جنہیں اولاد کی خوشیوں کی پرواہ نہیں؟ جو زبان اور بھرم رکھنے کی خاطر اپنی اولاد کی پسند کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔'' وہ ہنسی۔ طنزیہ وکھوکھلی ہنسی!

''آپی! کیا یہ ظلم نہیں کہ ہم لڑکیاں ہمیشہ اپنے والدین کی عزت کی پرواہ کریں مگر کیا ان پر لازم نہیں کہ اولاد کی خوشی کو سمجھیں؟ ان کی خواہش کا احترام کریں؟ اگر والدین ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر لڑکیوں کی مرضی کے رشتے منسوخ نہ کریں تو کوئی لڑکی گھر سے نہ بھاگے، خودکشی کا نہ سوچے، نہ ایسا قدم اٹھائے جس سے پیرنٹس کی عزت پر حرف آئے۔'' لمحے بھر کو خاموش ہوئی۔

''اولاد کی خوشیوں کو، انکی خواہشات کو قربان کر کے کونسا تمغہ مل جاتا ہے ایسے والدین کو جو

ذات برادری کو مانتے ہیں؟ کوئی اپنی زبان سے پھر جانے کو توہین سمجھتا ہے تو کوئی غیروں میں بیاہ کرنے کو۔'' نبیلہ کا بس نہیں چل رہا تھا کوئی چیز اٹھا کر اسکے سر پر مار دے۔ اتنی دیر سے وہ مغز ماری کر رہی تھی حاصل کچھ نہ ہو رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ جو تمہارے دل میں آتا ہے کرو۔ لیکن۔'' وہ الفاظ کو ترتیب دینے لگی۔ اب بھی نہ سمجھی تو کبھی نہیں۔

''میری ایک بات یاد رکھنا۔ گھر سے بھاگ کر شادی کرنیوالی لڑکیاں کبھی قابل اعتبار نہیں سمجھی جاتیں۔ ہمیشہ ناقابل یقین، نامراد اور بے اعتبار رہتی ہیں۔ جس انسان کی خاطر والدین کی محبت کو بے مول کر کے عزت کو داؤ پر لگاتی ہیں، بھائیوں کا سر جھکاتی ہیں، بہنوں کے پیروں میں بیڑیاں ڈال جاتی ہیں۔ ایسی لڑکیاں کبھی عزت نہیں پا سکتیں۔'' نبیلہ نے اسکے چہرے کی طرف دیکھا جو باہر دیکھنے میں مصروف تھی۔ اسکی بے توجہی پر نبیلہ تپ گئی۔ عنایہ کے چہرے پر سوالیہ تاثرات نمودار ہوئے تو اس نے اپنی بات مکمل کرنے کیلئے لمبا سانس لیا۔

''جو شخص آپکی خاطر سب سے لڑتا ہے، سماج سے ٹکر لیتا ہے، ہزاروں وعدے وعید کرتا ہے، خطرہ مول لے کر گھر سے بھگاتا ہے وہی۔ وہی شخص آپکی ہر ایکٹیویٹی کو مشکوک نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب۔'' اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''جب۔'' عنایہ کے پوچھنے کا انداز عجیب سا تھا۔

''ایک وقت آتا ہے جب اس بات کا طعنہ دیتا ہے کہ جو اپنے والدین کی نہ ہوئی وہ اسکی کیا ہوگی۔ جس نے والدین کی برسوں کی محبت کو چند ماہ کی محبت کیلئے چھوڑ دیا کل کو وہ کسی کی خاطر اسکو بھی چھوڑ سکتی ہے۔ تلخ حقیقت ہے عنایہ، سچائی ہے۔ اسی لئے کہہ رہی ہوں مان جاؤ۔ کوئی ایسا قدم مت اٹھانا جس سے سب کے سر جھک جائیں اور تمہارے ہاتھ بھی کچھ نہ

آئے۔ تمہیں کل کو پچھتانا نہ پڑے۔ واپس ہو جاؤ۔'' نبیلہ اسکا ہاتھ تھام کر بولی۔ عنایہ نے سہولت سے اپنا ہاتھ چھڑوالیا۔ اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے تو نبیلہ بول پڑی۔

''یہ مت کہنا ہاشم ایسا نہیں ہے۔ وہ بھی مرد ہے اور ہر مرد کسی نہ کسی روپ میں ایک جیسا ہوتا ہے۔ عادات مختلف ہوتی ہیں خصائل نہیں۔''

عنایہ نے سر پر ہاتھ مارا۔

''وکالت اچھی کر لیتی ہیں آپ۔'' طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے نبیلہ سے کہا تو اس نے ملامت بھری نظروں سے دیکھا۔ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ مسلسل سمجھا رہی تھی، اونچ نیچ بتا رہی تھی مگر وہ سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی۔ وہ پیر پٹختے کمرے سے نکل گئی۔ اس سے مزید بحث کرنا بیکار تھا۔

جو انسان بات سمجھ کر بھی نہ سمجھنا چاہے اسے کم عقل کہتے ہیں اور وہ کم عقل تھی۔ پوزیشن ہولڈر کی عقل کو عشق نام کے کیڑے نے چاٹ لیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر کے رکھ دی تھی۔

نبیلہ کے جاتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ کمرے کی ہر شے تہس نہس کر کے بھی اسکو سکون نہ ملا تو اپنا سر دیوار پر دے مارا۔ سوائے تکلیف کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اسے اپنے گھر والے بھی اس دیوار کی مانند لگے جن پر سر پٹخنے سے سوائے تکلیف کے کچھ حاصل نہ ہو رہا تھا۔ چوٹ خود کو ہی لگی۔

''میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے آپ لوگ۔ کبھی معاف نہیں کرونگی۔ کبھی نہیں۔ میں اپنی خوشیاں حاصل کر کے رہونگی۔ میری منزل ہاشم ہے میرا راستہ اسی طرف جاتا ہے۔'' اسکی سسکیاں، آہیں، بے قراری و تڑپ کمرے کی چار دیواری میں دم توڑ رہی تھی۔

''ماں باپ کی عزت خاک میں ملا کر کیا خوش رہ پاؤ گی؟'' ضمیر کی آواز نے ملامت کیا۔

''ماں باپ نے میری خوشیوں کا خیال کیا؟'' اس نے ضمیر سے سوال کیا۔

''کیا پتہ وہ تمہارے لئے اچھا سوچ رہے ہوں۔ جو قدم تم اٹھاؤ گی وہ تباہی و بربادی کی طرف تو جا سکتا ہے عزت، قدر و منزلت اور خوشیوں کی طرف نہیں۔''

''ہنہ۔'' عنایہ ہنکاری۔

''غلط اس کے والدین ہیں جو کاسٹ کو مانتے ہیں نہ کہ تمہارے۔ تمہارے گھر والوں کی بات جائز ہے، انکا مطالبہ جائز ہے، وہ صحیح تو کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنے والدین کو لائے اور تمہیں عزت سے لے جائے۔ جو آپ غیر برادری کی لڑکی کو بہو بنانے کو تیار نہیں وہ کل کو کیا اپنائیں گے؟ ہو سکتا ہے ہاشم کو خاندان میں دوسری شادی کرنی پڑے۔ انکے خاندان میں یہ بات عام ہے جو تم سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔ بغیر ماں باپ کی رضامندی کے وہ زیادہ دن تمہارے ساتھ گزارا نہیں کر سکتا۔'' ضمیر نے عقل کی بات کی تو عنایہ نے بلا ارادہ اثبات میں سر ہلا دیا جیسے وہ ضمیر کی آواز سے متفق ہو۔ پھر ایکدم نفی میں سر ہلانے لگی۔

ضمیر سے باتیں کرتے کرتے جانے جب وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی پتہ نہ چلا۔ الوینہ نے دیکھا بیڈ کے کنارے لیٹی وہ ایک مجسمہ لگ رہی تھی۔ ماتھے پر خون جما ہوا تھا۔ الوینہ نے دیوار کی طرف دیکھا جہاں پر خون کا دھبہ لگ گیا تھا۔ گالوں پر آنسوؤں کے خشک نشان اس بات کو ظاہر کر رہے تھے کہ وہ روتی رہی ہے۔ اس نے عنایہ کو ہلا کر اٹھایا۔ عنایہ نے ملتے ہوئے آنکھیں کھولیں، ایک نظر الوینہ کو دیکھا، ایک نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھے کلاک کو دیکھا جو رات کے دو بجا رہا تھا۔ عنایہ نے سوالیہ نظروں سے الوینہ کو دیکھا۔

''ہاشم بار بار کال کر رہا تھا۔ شزاء کی وجہ سے بات نہیں کر سکی۔ ٹیکسٹ کر دیا تھا کہ جیسے ہی وقت ملا تمہارے روم میں آ کر بات کرواتی ہوں۔ میں جاتی ہوں۔ تم سکون سے بات کر لو۔''

اس نے فون عنایہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''سکون تو کب کا ختم ہو چکا ہے۔'' الوینہ کے جاتے جاتے وہ بڑبڑائی جسے الوینہ سن نہ سکی۔ ہاشم کا نمبر ڈائل کیا۔ اس نے کال کاٹ کر کال بیک کی۔

''عنایہ۔ میں ہاشم۔''

''اچھا۔ آج سے پہلے کبھی بتانے کی ضرورت پڑی جو اَب بتا رہے ہو۔'' عنایہ نے طنز کیا۔ ہاشم چپ ہو گیا۔ وہ جانتا تھا جب بھی وہ ڈپریشن میں ہوتی ہے چڑچڑی ہو جاتی ہے۔

''خاموش رہنے کیلئے فون کیا تھا؟''

''میں شام سے تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ تم انکل، آنٹی سے بات کرنے گئی تھی۔ کیا کہا انہوں نے؟''

سوگ مناؤ کہ تمہارے نہ رہیں گے اب
تیرے معیار تک آتے آتے مر جائیں گے!

''یہ شاعری کا وقت نہیں۔ مجھے بتاؤ کیا کہا انکل آنٹی نے؟''

''اس شعر میں تمہارے سوال کا جواب موجود ہے ہاشم۔'' عنایہ روبوٹک انداز میں بولی۔ ایک بے جان وجود کی طرح جسکے لب ہل رہے تھے وجود ساکت تھا۔

''انکار۔''

''نہیں۔ انکی طرف سے انکار نہیں ہے نہ تھا۔'' عنایہ بات کاٹ کر بولی۔

''تم نے ہی تو کہا اگر جواب ہاں میں ہوتا تو کال کرتی۔ میں سمجھ نہیں پا رہا۔ کھل کر بتاؤ کیا بات ہے۔'' وہ کنفیوز ہو گیا۔

''پرسوں مجھے نکاح کے نام پر قربان کیا جا رہا ہے۔ بلکہ ایک دن تو گزر چکا۔ آج کا دن باقی

ہے جسکے طلوع ہونے میں کچھ گھنٹے ہیں۔ پھر کل کا دن آجائے گا اور پھر۔'' وہ سسک پڑی۔

''عنایہ رومت۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔ مم۔ میں کل آؤنگا انکل آنٹی سے دوبارہ بات کرنے۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ انکل تو اچھے خاصے پڑھے لکھے ہیں وہ کیوں نہیں سمجھتے ہماری بات۔'' اس نے دلاسہ دیا۔

''پڑھے لکھے تو تمہارے پاپا بھی ہیں۔ وہ کیوں نہیں سمجھے؟ بتاؤ مجھے۔ کیوں نہیں سمجھے وہ؟ کیوں نہیں آئے؟ عقل و شعور تعلیم و علم کی پابند نہیں۔''

''انصاف سے بتانا۔ تمہارے گھر والوں نے وقت دیا ہی کب؟ ایکدم تمہارے نکاح کا بندوبست کر دیا۔ انتظار کیا ہوتا، کچھ کہا ہوتا۔ میں نے پاپا سے بات کی ہی کب۔ میں تو تمہارے پیرنٹس کو پابند کرنے آیا تھا کہ میں انکو منا کر لاؤنگا۔''

وہ خاموش رہی کیا کہتی۔ یہ گلہ تو اسے بھی سب سے تھا۔

''عنایہ! میں نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر۔ تم۔ تم کچھ کرو۔''

''ایک ہی حل ہے۔ آکر مجھے لے جاؤ۔''

''آر یو اِن سینسز (Are you in senses)۔ ایسا کیسے ممکن ہے؟ تمہارے گھر والوں کی عزت خاک میں مل جائے گی۔'' ہاشم اسکی بات سن کر ہکا بکا رہ گیا۔

''انکی عزت کا چھوڑو۔ اپنی خوشیوں کے بارے میں سوچو۔'' عنایہ نے جان بوجھ کر کہا۔ وہ اسکے خیالات جاننا چاہتی تھی کہ وہ کیا کہتا ہے۔ ہاشم کو وہ خود غرض لگی۔

''اپنے ماں باپ کو بے عزت کر کے کوئی اولاد خوش رہ سکتی ہے بھلا۔ یہ حل نہیں فرار ہے۔ ایسا فرار جس میں ذلت، رسوائی، بدنامی و جگ ہنسائی ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تمہارے پاپا کی برسوں کی عزت ایک پل میں مٹی میں مل جائے گی، جیتے جی مر جائیں گے انکل آنٹی،

تمہارے بھائی سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہ رہیں گے۔لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ ہرگز نہیں عنایہ۔اس کانٹوں بھرے راستے کا انتخاب کر کے ہم ایک تو ہو جائیں گے لیکن خوش نہیں رہ سکیں گے۔حقیقی خوشیوں بھری زندگی کبھی نہیں جی پائیں گے۔"

ہاشم کی باتوں سے اسکا اندر تک سرشار کر ہو گیا۔اسے فخر ہوا کہ جس کو اس نے چاہا وہ عام مردوں کی طرح نہیں سوچتا۔وہ واقعی سب سے الگ ہے، سب سے منفرد، سب سے جدا۔ عنایہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یعنی مجھے یہ شادی کر لینی چاہیے۔"عنایہ نے پوچھا۔

"ایسا سوچنا بھی مت۔تمہارے بغیر میں۔میری زندگی میں کچھ نہیں رہ جائے گا۔"اسکی سانس پھول گئی۔عنایہ کو کھونے کا تصور ہاشم کیلئے اسی قدر تکلیف دہ تھا جیسا عنایہ کیلئے ہاشم کو کھونے کا تصور۔

"ایک کام کرتے ہیں۔"

"بولو۔"

"ایک ساتھ مر جاتے ہیں۔اوپر جا کر مل جائیں گے۔وہاں ذات پات ہوگی نہ زبان کی پاسداری کا بھرم۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"ہاشم نے ڈپٹا۔

"مذاق کون کر رہا ہے۔آئی ایم سیریس۔رئیلی آئی ایم۔"

"پاگل ہو؟ خودکشی کا مطلب بھی جانتی ہو؟ پڑھی لکھی سمجھدار ہو کر ایسی فضول باتیں کر رہی ہو۔اللہ کی مرضی کے بغیر مرنا حرام موت ہے جو مجھے قطعاً قبول نہیں۔اور تم۔تم حرام موت اپنا کر سمجھتی ہو وہاں جا کر ایک ہو جائیں گے۔ہنہ۔" ہاشم کو اسکی سوچ پر حیرت ہوئی۔

''عنایہ تم ابھی آرام کرو۔ میں کل آؤنگا بات کرنے۔'' ہاشم کو لگا وہ حواسوں میں نہیں ہے۔

''کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے بات کر کے دیکھ لیا ہے۔ انکا جواب نہ ہی ہوگا۔ کاش تمہارے ماما، پاپا آجاتے۔ کاش!''

''کیا پتہ وہ مان جائیں۔'' وہ پرامید ہوا۔

''ہنہہ۔''

''مجھے ایک بات کی خوشی ہے ہاشم کہ میرا مان نہیں توڑا تم نے۔ اگر تم بھاگ کر شادی کرنے کیلئے حامی بھر لیتے تو میرا یقین، مان اور بھرم ٹوٹ جاتا۔ مجھے اپنے انتخاب پر فخر ہے۔ ہمیشہ ایسے ہی رہنا۔ کبھی بدلنا مت۔''

''زندگی مکافات عمل ہے عنایہ۔ جیسا ہم اپنے پیرنٹس کیساتھ کریں گے ویسا ہی ہماری اولاد ہمارے ساتھ کرے گی۔ اسلئے آج تک ہم میں سے کسی نے پاپا کے فیصلے سے روگردانی نہیں کی۔ تمہارے گھر والے وقت دے دیتے تو کیا جاتا۔ کچھ نہ کچھ کر کے میں کم از کم ماما اور بہنوں کو ہمت دے کر منا لیتا۔ پاپا کبھی نہ کبھی مان ہی جاتے۔'' اسکی سوچ پر عنایہ کو فخر ہوا۔ وہ ایسے ہی جیون ساتھی کی طلبگار تھی جو اسے مل کر نہ مل رہا تھا۔

''مجھ سے ایک وعدہ کرو گے؟''

''ایسی کوئی بات مت کہنا جو میں پوری نہ کر سکوں۔''

''بے فکر۔ نہ کورٹ میرج کا کہونگی نہ مرنے کیلئے۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ عنایہ نے خود ہی سلسلہ کلام جوڑا۔

''تم غصہ کرنا چھوڑ دو۔ میرا مطلب بلاوجہ غصہ مت کیا کرو۔ ہر کسی سے الجھنا، بحث کرنا، لڑنا، الگ تھلگ رہنا چھوڑ دو۔''

''کرلوگل۔ یہ بات تم مجھے بہت ٹائم سے کہتی آرہی ہو۔ کبھی نہ مانی ہو بتادو۔'' ہاشم نے پوچھا۔

''بس ایسے ہی رہنا۔ بدلنا مت۔'' عنایہ نے تصدیق چاہی۔

''اچھا جناب۔ ڈن۔ اور کچھ۔'' وہ شوخ ہوا۔

''خوشی کی طرح غم، دکھ اور اداسی زندگی کے حصوں میں سے ایک ہے۔ مجھے لے کر کبھی اداس مت ہونا، میرے لئے اداس مت ہونا۔ کرو وعدہ۔'' عنایہ کا لہجہ عجیب سا تھا۔ ہاشم کو جھرجھری آگئی۔ وہ سہم گیا۔

''یہ کیا بکواسیات ہے۔ غصہ نہیں کرونگا۔ جھگڑونگا نہیں، سب سے گھل مل کر رہونگا۔ مگر جو بکواس تم نے کی ہے نہ وہ۔ وہ بہت غلط ہے۔ اسکا مطلب ہے تم اپنے کزن سے شادی کرنے کا ارادہ کرچکی ہو۔'' ہاشم تپ گیا۔ عنایہ سے دوری کا خیال اسکو پریشان کرنے کیلئے کافی تھا۔

''ہرگز نہیں۔ یہ شادی کسی صورت نہیں ہوگی۔ تم سے جدائی موت ہے۔ تم سے ہٹ کر سوچنا عذاب۔ میں کسی کیساتھ نہ خوش رہ سکتی ہوں نہ اسکو خوش رکھ سکتی ہوں۔ وعدہ کرو اب۔ جب جب میرا نام سنو گے تمہارے ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ رقص کرے گی۔ رقص محبت۔ رقص عاشقانہ۔'' اس نے تسلی دی۔

''تم میری زندگی کا حصول ہو عنایہ۔ تمہارا وجود میرے لئے کیا معنی رکھتا ہے تم جانتی نہیں شاید۔ تبھی اس طرح کہہ رہی ہو۔'' ہاشم اچھا خاصا خوفزدہ ہوگیا۔ اسکی باتیں الجھا رہی تھیں۔ پریشان کررہی تھیں۔ آج تک عنایہ کے چہرے پر ہلکی سی سنجیدگی دیکھی نہ اداسی کی لہر۔ آج اسکی باتیں۔ وہ ایک نئی عنایہ لگی اسے۔

''عنایہ بہت باتیں کرلیں۔ ایک کام کرو۔ سوجاؤ۔ میں کل آؤنگا۔ سب اچھا ہوجائے گا

انشاءاللہ۔تم ڈپریس مت ہونا پلیز۔"

"فائدہ نہیں۔پر ایک کوشش اور سہی۔کوئی حرج نہیں۔تمہاری تسلی ہو جائے گی۔مگر اب کی بار بھی پٹ کر جاؤ گے۔" عنایہ نے طنز کرتے ہوئے فون کاٹ دیا۔ہاشم کو پہلے تو غصہ آیا پھر مار کھانے کے بعد والی صورتحال یاد کر کے ہنس پڑا۔

اگلے دن وہ ناشتہ کیے بغیر ہی گھر سے نکل گیا۔عنایہ کی باتوں نے اسے اچھا خاصا پریشان کر دیا تھا۔اسکا دل رات سے عجیب ہو رہا تھا۔ایسا لگتا تھا کچھ غلط ہونیوالا ہے۔خود کو تسلی دیتے دیتے رات آنکھوں میں کاٹی۔گھڑی پونے نو بجا رہی تھی جب وہ اسکے گھر پہنچا۔عنایہ کی بھابھی رومیسہ نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور اپنے ساس سسر کو اطلاع دینے چلی گئی۔

"وعلیکم السلام! کہو برخوردار! کیسے آنا ہوا؟" پروفیسر ماجد کے آتے ہی ہاشم نے کھڑے ہو کر سلام کیا تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

"عنایہ کے نکاح کی مبارکباد دینے آیا ہوگا۔" نگین ماجد نے کہا۔ہاشم کو غصہ تو بہت آیا پر وہ برداشت کر گیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔آپ لوگ میرے آنے کی وجہ جانتے ہیں۔" لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

"اچھا۔ہم جانتے ہیں۔کمال ہے۔ہمیں علم نہیں اور تم کہہ رہے ہو ہم وجہ جانتے ہیں۔کیا خوب کہی۔"

پردے کے پیچھے کھڑی عنایہ نے مٹھیاں بھینچ لیں۔نگین ماجد سے ایسے رویے کی توقع ہرگز نہ تھی۔ہاشم کے چہرے پر خفت و غصے کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔عنایہ دیکھ سکتی تھی وہ کس

قدر ضبط کر رہا ہے۔

''انکل! میں عنایہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''جانتا ہوں۔ تم ہی نے بتایا تھا۔ بہتر ہے پیرنٹس کو بتاؤ بلکہ انکو تو بہت پہلے بتانا چاہیے تھا تاکہ بروقت مناسب فیصلہ کیا جا سکتا۔ اب آنے کی وجہ؟ کل نکاح ہے عنایہ کا۔'' وہ ویل چیئر گھسیٹ کر جانے لگے۔

''انکل! ایسا مت کریں۔ آج بہت آس لے کر حاضر ہوا ہوں۔'' انکی ویل چیئر روک کر انکے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''انکل! عنایہ اس رشتے پر خوش نہیں ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ وہ کبھی خوش نہیں رہ پائے گی۔'' خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ پروفیسر ماجد کا دل پگھلا۔

''مجھے کچھ باتیں واضح کر لینے دو۔ پہلی بات عنایہ کا رشتہ بچپن سے کامران کیساتھ طے تھا۔ پھر بھی ماجد نے گنجائش نکالی کہ اگر تمہارے والدین ساتھ ہوتے تو ہم انکار نہ کرتے۔ انکا ساتھ نہ آنا اس بات کی دلیل تھا کہ وہ لوگ تمہاری شادی یہاں نہیں کرنا چاہتے۔ میں کیسے اپنی بیٹی کو ایسی جگہ بیاہ دوں جہاں اسکو وہ مان نہ دیا جائے جو بہو کا حق ہے۔'' نگین کا لہجہ سخت تھا۔

''ہماری جگہ خود کو رکھ کر سوچو برخوردار۔'' پروفیسر ماجد نے التجا کی۔

''آپکی کسی بات سے انکار نہیں۔ پر مجھے کچھ وقت تو دیا ہوتا کہ میں مما پاپا کو ساتھ لا سکتا۔''

''تمہارا پہلا پڑاؤ ہی کمزور تھا بیٹے۔ پہلا قدم ہی غلط اٹھایا اور اکیلے چلے آئے بجائے اسکے کہ انکو راضی کرتے۔ اور برخوردار ہم کیا انتظار کرتے؟ کہ جب دل کرے آجانا بیٹی لینے ہم نے آپکی رضامندی کے انتظار میں بٹھا رکھی ہے۔ لے جاؤ۔ جب دل مانے آ کر لے جاؤ۔

بیٹی نہ ہوئی کوئی چیز ہوگئی۔'' وہ چلے گئے۔ ہاشم زمین پر بیٹھا رہا۔ رومیسہ ایک مرد کو محبت کی بھیک مانگتا دیکھ کر دکھی ہوگئی۔

''محبت کبھی نہیں مرتی، کبھی بھی نہیں۔ یہ مار دیتی ہے، ختم کر دیتی ہے خودداری کو، خود پسندی کو، انا کو۔ کہیں محبوب کو پانے کیلئے خودداری کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ تو کہیں اسکو منانے کیلئے انا و خود پسندی کو مارنا پڑتا ہے۔'' رومیسہ کو احسن کی کہی بات یاد آئی جب وہ اس سے ناراض تھی۔

وہ اب تک اسی انداز میں بیٹھا تھا جیسے کسی معجزے کا منتظر ہو۔ اسکو ہاشم پر رحم آیا۔ بے حد، بے تحاشا۔

''محبت ایک وقت میں ایک بار ہوتی ہے ایک شخص سے ہوتی ہے۔ میں نے بھی ایک وقت میں ایک ہی سے محبت کی جسکے لئے اپنی خودداری کو ایک طرف رکھ کر دست سوال ہوا۔''

''پھر ملی محبت؟'' منہ دکھائی میں دی گئی انگوٹھی کو انگلی کے گرد گھماتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ملتی تو تم یہاں ہوتی؟ میرے ساتھ۔'' احسن نے الٹا سوال کیا اور آنسو چھپانے کیلئے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''یعنی میں من چاہی نہیں۔'' اسکا لہجہ بھر سا گیا۔ گلے میں جیسے پھندہ لگا۔

''ایسی بات نہیں۔ تم بہت اچھی ہو اور امید ہے اچھی بیوی ثابت ہو گی۔ تمہارا ساتھ چاہیے تا کہ اسکی یادوں کو منہدم کر کے میں یہ خوبصورت و پاکیزہ رشتہ خلوص اور چاہت سے نبھا سکوں۔ مجھے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دینا ہو تو شرمندگی نہ ہو۔'' احسن نے کہا۔

''ایک بات بتائیں گے؟'' احسن نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''آپ نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟ ایک لڑکی کو محبت کے خواب دکھا کر بیچ راستے میں چھوڑ کر سمجھتے ہیں کہ آپ بروز قیامت بچ جائیں گے؟ سوال تو اس بابت بھی ہوگا۔'' وہ اسکے سوال کے پیچھے چھپی بات کا مقصد سمجھ چکا تھا۔

''میں نے مما پاپا سے بات کی تھی مگر نہیں مانے کیونکہ وہ پھپھو سے تمہارے لئے بہت پہلے بات کر چکے تھے۔ زبان سے پھرنا مما کی شان کیخلاف ہے۔'' وہ تھوڑا تلخ ہوا۔

''اس نے کہا کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔ میں نہیں مانا حالانکہ اسکی ماما کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بھائی دبئی ہوتے ہیں وہ بھی راضی تھے مگر میرا دل کورٹ میرج کیلئے نہیں مانا۔ کیا فائدہ جب والدین ہی خوش نہ ہوں۔''

''کیوں نہیں مانے آپ؟ ایک دوسرے کو چاہتے تھے تو کر لیتے شادی۔ انکل آنٹی بعد میں مان ہی جاتے۔''

''مکافاتِ عمل سمجھتی ہو؟''

وہ نا سمجھی میں اسے دیکھتی گئی۔

''یہ کوئی کتابی لفظ یا اصلاح نہیں۔ اس ایک لفظ میں پوری زندگی ہے۔ آج میں کورٹ میرج کرونگا تو کل کو میری اولاد بھی وہی کرے گی۔ جیسا میں کرونگا ویسا مجھے واپسی میں ملے گا اور میں نہیں چاہتا مجھے وہ ملے جسکے لئے مجھے دکھی، پشیمان اور شرمندہ ہونا پڑے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

رومیسہ کا دل سرشار ہو گیا۔ اتنی اچھی سوچ والا انسان اسکا جیون ساتھی تھا۔

''حمیرا کو بھلانے میں وقت لگے گا۔ اتنی آسانی سے بھول نہیں سکتا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں وہ مجھے با آسانی نہیں بھول سکتی مگر میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ وہ بھی شادی کر لے تا کہ زندگی

کو نیا موڑ مل سکے۔ زخم یونہی بھرتے ہیں، مندمل ہوتے ہیں۔"

رومیسہ کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔ سکون رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ اسکے ماضی میں جو بھی تھی اسکا حال اور مستقبل صرف وہ تھی۔ اسکی سچائی رومیسہ کے دل پر پھوار بن کر برسی تھی۔

"بھابھی۔" ہاشم کی آواز سن کر وہ ایکدم چونکی اور خیالات سے باہر آئی۔

"جی۔"

"آپ بات کر کے دیکھیں شاید۔" منت کرتا وہ رومیسہ کو محبت کا بھکاری لگا۔

"کر چکے ہیں۔ تاویلیں بیکار گئیں، بحث لاحاصل رہی۔ میں نے اور احسن نے ماموں ممانی سے بات کی تھی۔ بہت سمجھایا۔ کافی دیر بحث ہوئی مگر انکی وہی ایک بات وہ کامران کی امی کو زبان دے چکے ہیں۔"

"بھابھی! میں انکل آنٹی کی بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔ ایک طرف انکو اعتراض نہیں اگر میرے پیرنٹس آتے رشتہ لینے۔ دوسری طرف انتظار کئے بغیر ہی عنایہ کے نکاح کی تاریخ مقرر کر دی۔ کیا پتہ میں انکو جلد منا کر لے آتا۔ انکے رویوں سے لگتا ہے وہ لوگ یہ رشتہ کرنا ہی نہیں چاہتے۔"

"آپ بالکل ٹھیک بات تک پہنچے ہیں۔ جو آپ نے محسوس کیا، جو آپ سوچ رہے ہیں بالکل ایسا ہی ہے۔ ماموں ممانی جیسے لوگ اپنی زبان کی پاسداری کی خاطر اولاد کی خوشیوں کو داؤ پر لگانے کو عار نہیں سمجھتے، ظلم نہیں سمجھتے۔ بالفرض آپکے ماں پاپا آ بھی جاتے تو انکو وہی جواب دیا جاتا جو آپکو دیا کہ وہ بیٹی کی نسبت بچپن سے طے کر چکے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پہلے احسن کیساتھ ظلم ہوا، پھر نبیلہ باجی اور اب عنایہ۔" رومیسہ کی بات نے ہاشم کے وہم کو یقین میں بدل گیا۔

پردے کے پیچھے کھڑی عنایہ صدمے سے نیچے بیٹھ گئی۔ وہ اب تک ہاشم کے والد کو موردِ الزام ٹھہرا رہی تھی، انکو الزام دے رہی تھی جو ذات برادری کے چکر میں بچوں کی خوشیوں کو قربان کرتے آئے۔ یہاں تو اسکے والدین ویسے لوگوں کی قطار میں کھڑے تھے۔ فرق اتنا تھا وہ ذات پات کے قیدی تھے اور یہ لوگ زبان کی پاسداری کے مجاور۔ اولاد کیا چاہتی ہے کسی کو غرض نہیں۔

''یا اللہ! میں کہاں جاؤں۔ عنایہ کو کھونے کا خیال جان لیوا لگتا ہے، روح تک کانپ جاتی ہے۔'' ہاشم روہانسا ہو گیا۔ ہر در بند تھا۔ سوائے صبر کے کوئی راستہ نہیں تھا اور صبر کا راستہ ہی سب سے کٹھن تھا۔ وہ اسے کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دم گھٹتا محسوس ہوتا۔

''کتنا مجبور ہو گیا ہوں۔ بے بس، لاچار۔'' ایک مرد سسک رہا تھا۔ پردے کے پیچھے کھڑی عنایہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہچکیوں کی آواز دبا رہی تھی۔ وہاں سے اٹھنے کا حوصلہ وہ کر ہی نہ پائی۔ وہ ہاشم کی آواز کو اپنی سماعت میں محفوظ کر لینا چاہتی تھی۔ اسے سننا چاہتی تھی۔ پھر یہ آواز اسے سنائی کہاں دینی تھی۔

''یہ محبت ہی تو ہے جو انسان کو مجبور کر دیتی ہے۔ اس قدر کہ انسان چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ کچھ کر ہی نہیں پاتا۔ آپ دونوں کو وقت لگے گا۔ پھر آہستہ آہستہ سب نارمل ہو جائے گا کیونکہ انسان زیادہ دیر تک ماضی میں نہیں رہ سکتا۔ حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور حال حقیقت ہے ماضی سراب۔'' نبیلہ نے حوصلہ دیا۔ جانے وہ کب وہاں آن پہنچی۔

''ماضی کو بھلایا بھی نہیں جا سکتا۔'' وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔

''انکار نہیں ہاشم بھائی! مگر حال کو خوشگوار اور مستقبل کو بہترین بنانے کیلئے ماضی کے سائے سے دور ہونا پڑتا ہے۔ بعض اوقات بھاگنا پڑتا ہے تاکہ ماضی کی پرچھائیاں حال کو نگل نہ

جائیں۔ جتنا آپ ماضی کے سائے میں رہیں گے اتنا افسردہ، غمگین، پریشان اور بے چین رہیں گے۔ اسلئے حال کے درخت تلے ستانا زیادہ اچھا ہے بہ نسبت ماضی کے سائے کے پیچھے بھاگنا۔'' نبیلہ نے رومیسہ کو دیکھا۔ معصوم وسیدھی سادھی ایف اے پاس رومیسہ اس وقت نبیلہ کو کوئی معلم لگی۔

''آپکو چلے جانا چاہیے۔ شبیر بھائی کے اٹھنے کا وقت ہوگیا ہے۔ میں نہیں چاہتی وہ آپکو دیکھیں اور پھر اس دن کی طرح کوئی گڑ بڑ ہو۔'' نبیلہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ رومیسہ وہاں سے چلی گئی۔ وہ اسکے لئے کچھ نہیں کرسکتی تھی۔ سمجھا سکتی تھی سو سمجھایا۔

''چلتا ہوں۔'' وہ چلا گیا۔ ہوا کے جھونکے کی طرح عنایہ کی زندگی میں آیا اور آندھی کی مانند نکل گیا۔ وہ راہداری تک اسکو جاتا دیکھتی رہی۔ بھاگ کر کمرے میں گئی۔ کھڑکی کھول کر دیکھتی رہی جب تک اسکی گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ وہ اسی طرح کھڑکی کے پٹ کھولے کھڑی رہی جیسے اسے آواز دینا چاہتی ہو۔ یا پھر منتظر ہو اسکے لوٹ آنے کی۔

رومیسہ ناشتے کی ٹرے لے کر کمرے میں آئی تو اسے کھڑکی کیساتھ کھڑے دیکھا۔

''چلا گیا۔'' عنایہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ رومیسہ چونک گئی۔ یعنی وہ ہاشم کی آمد سے لاعلم نہ تھی۔

''ہاں۔ اسے جانا ہی تھا۔'' چینی چائے میں مکس کرتے ہوئے بولی جیسے عام بات ہو۔

عنایہ خاموش رہی۔

''ناشتہ کرلو۔'' اس کا رخ عنایہ کی جانب تھا۔

''لے جائیں۔ بھوک نہیں۔'' وہ اسی انداز میں کھڑی رہی۔ لہجے کی سختی واکتاہٹ اسکے غصے کی غماز تھی۔

''کب تک بھوکی رہوگی؟ ہونا تو وہی ہے جو ماموں ممانی اور تمہارے بھائی چاہتے ہیں۔

پھر ضد بازی کیوں؟'' رومیسہ نے کہا تو عنایہ نے جن نظروں سے دیکھا رومیسہ کو جھرجھری آ گئی۔ وہ ناشتہ چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی۔ عنایہ نے دراز سے پین نکالا۔ رجسٹر کا صفحہ پھاڑ کر اس پر کچھ لکھنے کیلئے جھک گئی۔

''صبح سے کمرے میں بند ہو۔ چلو باہر آؤ۔ سب کیساتھ مل کر کھانا کھاؤ۔ پھر تو تمہیں چلے ہی جانا ہے۔'' شبیر کی بیوی اقصیٰ آئی تو کمرے کی حالت دیکھ کر تاسف سے عنایہ کو دیکھنے لگی۔ کمرہ گزشتہ رات سے بے ترتیب تھا۔ اس سے پہلے الوینہ، شزا، نبیلہ، رومیسہ سب کھانے کا کہہ کر جا چکی تھیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''یہ سب کیا ہے؟ کیا حالت بنائی ہے کمرے کی؟ کس بات کا سوگ منا رہی ہو۔ تمہارے بھائی نے دیکھ لیا تو ناراض ہونگے۔'' وہ تپ گئی۔ ایک ایک کر کے چیزوں کو سمیٹنے لگی۔

''کمرے کی حالت کا اندازہ ہے میرے دل پر کیا گزر رہی ہے کسی کو احساس نہیں۔'' وہ سوچ ہی سکی۔

''اب بولتی نہیں۔'' اقصیٰ بدزبان قسم کی عورت تھی۔ شبیر کی طرح وہ بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تپ جاتی تھی۔ عنایہ نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔

''ہنہ۔ اللہ جانے آج کل کی لڑکیاں یونیورسٹی پڑھنے جاتی ہیں یا بر ڈھونڈنے۔''

''میرے بھائی کو لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ اتنی اچھی اچھی لڑکیوں کے رشتے آ رہے ہیں۔ امی نے خالہ جانی کو زبان دی تھی تبھی تم سے شادی کروا رہی ہیں ورنہ تم جیسی۔ ہنہ۔ کالج یونیورسٹی پڑھائی کے بہانے عشق معشوقی کی پینگیں جھولنے جاتی ہیں۔'' جلی کٹی باتیں سناتے سناتے کمرا سمیٹ دیا۔ عنایہ نے ضبط سے آنکھیں بند کر لیں۔

''ہمت تو دیکھو کیسے دندناتا آ گیا صبح۔ اچھا ہوا تمہارا بھائی سویا ہوا تھا ورنہ ٹانگیں توڑ دیتا اسکی۔'' ناشتے کی ٹرے اٹھاتے ہوئے بولی۔ ناشتہ جوں کا توں ہی پڑا تھا۔

''یہ جو عشق کا بھوت ہوتا ہے نہ شادی سے پہلے نچاتا ہے۔ بعد میں بیوی کو شوہر کے اشاروں پر ناچنا پڑتا ہے۔ عشق وشق سب نکل جاتا ہے۔ آئی بات سمجھ میں۔ سیدھی طرح آجاؤ باہر۔ نخرے دکھانے کی ضرورت نہیں۔'' عنایہ کی خاموشی اقصیٰ کیلئے حیران کن تھی۔ غلط بات وہ برداشت نہیں کرتی تھی۔ اقصیٰ کی بدزبانی اور منہ پھٹ ہونے کی وجہ سے عنایہ کی اس سے کبھی نہیں بنی۔ حالانکہ دونوں خالہ زاد تھیں۔ وہ اکثر سوچتی، شبیر بھائی کو اس میں کیا نظر آیا جو مر مٹے۔ حیران تو وہ والدین کے رضامند ہونے پر بھی تھی جنہوں نے شبیر بھائی کی شادی اقصیٰ جیسی تیز طرار و بے لحاظ لڑکی سے کر دی۔ جو بولتی پہلے تھی سوچتی بعد میں۔ عنایہ کی مسلسل چپ نے اسکو مزید تپا دیا۔ وہ پیر پٹختے وہاں سے چلی گئی۔ اسکے جاتے ہی عنایہ گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگ گئی۔ اسے کرنے کیلئے یہی کام بچا تھا۔

رات ہوتے ہی عنایہ کا دل مزید دکھی و بدگمان ہو گیا۔ پروفیسر ماجد اور نگین میں سے کوئی اسے پوچھنے تک نہ آیا۔ کسی نے خبر نہ لی بیٹی کس حال میں ہے۔ ایک نظر دیکھ لیتے تو شاید اپنا فیصلہ بدل دیتے۔ مگر! اس مگر کے بعد ایک گہری چپ تھی، خاموشی تھی، جامد سناٹا تھا جو رگ و پے میں اتر کر اسے گھائل کر رہا تھا۔

''عنایہ۔'' الوینہ نے اسکا حال دیکھا تو تڑپ گئی۔

''زندگی کو زندہ دلی سے جینے والی، زندگی سے پیار کرنیوالی لڑکی۔ خود پر اتنا ظلم مت کرو۔ مت اذیت دو اپنے آپکو۔'' عنایہ کا ہاتھ پکڑ کر چوما۔

''میں ظلم کر رہی ہوں؟ میں اذیت دے رہی ہوں؟ ظلم تو یہ لوگ مجھ پر کر رہے ہیں۔

کتنی چالاکی سے مما پاپا نے بال ہاشم کے کورٹ پر پھینکی۔ کتنی ہوشیاری سے سارا کام کیا کہ میں بھی ہاشم کے پاپا سے بدظن ہوگئی جبکہ میرے اپنے۔ میرے۔ میرے مما پاپا ان لوگوں میں سے ہیں جو۔ جو زبان سے پھرنے کو توہین سمجھتے ہیں۔ جان جائے زبان نہ جائے۔ کوئی فرق نہیں ہاشم کے پاپا اور میرے مما پاپا میں۔ ذرا بھی فرق نہیں۔'' الوینہ کے ہاتھوں پر ماتھا رکھ کر وہ رو پڑی۔

''میرے ساتھ اچھا نہیں ہو رہا۔ یہ زیادتی میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔ مما پاپا کے رویے نے میری روح کو گھائل کر دیا ہے۔ جانتی ہو کل سے اب تک ایک بار بھی میرا حال پوچھنے نہیں آئے۔ یہ نہیں سوچا ایک بار جا کر دیکھ لیں کہ کس حال میں ہے انکی بیٹی۔ ان کو کوئی پرواہ نہیں۔ کتنا اذیت ناک رویہ ہے انکا۔ تکلیف دہ۔'' وہ ہچکیوں کیساتھ رو رہی تھی۔ الوینہ کا دل بھر گیا۔

''کاش میں کچھ کر سکتی۔ میں نے مام ڈیڈ سے بات کی تھی عنایہ۔'' اس نے پرامید ہو کر الوینہ کو دیکھا تو اس نے نظریں جھکا لیں۔

''انہوں نے صاف منع کر دیا کہ وہ چاچی جان سے ہرگز بات نہیں کریں گی۔ انکا ماننا ہے کہ والدین اولاد کا برا نہیں سوچتے۔''

''ہنہ۔ برا نہیں سوچتے۔ وہ یہ نہیں جانتے من پسند ساتھی نہ ہو تو کچھ اچھا نہیں لگتا۔ زندگی گزارنا عذاب لگتا ہے۔ کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے ہی کرنا ہے جو بھی کرنا ہے۔''

الوینہ نے ناسمجھی کے انداز میں دیکھا۔

''کیا کرو گی تم؟'' وہ ڈر گئی۔

''فکر نہ کرو۔ بھاگوں گی نہیں۔ ہاشم بھگانے والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ بھگانے والوں

میں سے ہوتا تو میں کب کی عنایہ ہاشم بن چکی ہوتی۔"

"پھر۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی سہم گئی۔

"کچھ نہیں۔ رات بہت ہوگئی ہے۔ تم جا کر سو جاؤ۔ مجھے بھی سونا ہے۔ بہت نیند آ رہی ہے۔"

الوینہ چپ چاپ چلی گئی۔

وہ جو سمجھے تھے تماشا ہو گا
ہم نے چپ رہ کر پلٹ دی بازی!

نئی صبح، کھلا کھلا موسم، سرسبز و شاداب منظر۔ سب کچھ ویسا تھا پھر بھی کچھ نیا نیا تھا۔ صبح صبح گھر میں رونق لگ گئی۔ قریبی رشتے داروں کی آمد شروع ہوگئی۔ رومیسہ کی بہنیں اور بھابھیاں آ گئیں۔ پروفیسر ماجد کی بہن اپنی بچیوں سمیت آ گئیں۔ رومیسہ، اقصیٰ اور نبیلہ سب کیلئے ناشتے کا بندوبست کرنے لگ گئیں۔ الوینہ اور شزا ہم عمر کزنز کیساتھ کپڑوں اور جیولری کی میچنگ میں لگ گئیں۔

"ارے بھئی عنایہ کہاں غائب ہے۔ نظر نہیں آ رہی۔" ناشتہ کرتے ہوئے رومیسہ کی والدہ نے کہا۔

"اپنے کمرے میں ہوگی۔ کچن میں ہوتی تو ملنے ضرور آتی۔" رومیسہ کی بہن شمسہ ادھر ادھر دیکھتے بولی۔

"لگتا ہے اعتکاف میں بیٹھ گئی ہے۔ شام کو ہی سامنے آئے گی۔" سدرہ نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

"میں ذرا مل کر آئی۔" شمسہ نے کہا تو سدرہ اور اقراء بھی پیروی میں چل پڑیں۔ دروازہ

بجا بجا کر تھک گئیں عنایہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''سو رہی ہو گی۔ بعد میں مل لینا۔'' ساتھ والے کمرے سے زبیر کی بیوی مصباح نکلتے ہوئے بولی۔

رومیسہ ناشتے کی ٹرے لے کر عنایہ کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ وہ بھی دروازہ کھٹکھٹا کر تھک گئی مگر عنایہ نے جواب نہ دیا۔

''عنایہ! دروازہ کھولو۔ عنایہ۔ عنایہ۔ عنایہ دروازہ کھولو پلیز۔ اللہ کے کیلئے ایک بار کھول دو۔ تھوڑا سا تو کھالو۔ پرسوں سے کچھ نہیں کھایا۔ عنایہ۔ پلیز۔'' رومیسہ نے منت کی۔

عنایہ نے جیسے دروازہ کھولا وہ فوراً اندر داخل ہوئی۔ مبادا وہ دوبارہ بند نہ کر دے۔ اسکی آنکھیں رو رو کر سوج چکی تھیں۔ آواز بھاری ہو رہی تھی۔

''ناشتہ کر لو۔ تمہاری پسند کا لچھے دار پراٹھا بنایا ہے نبیلہ باجی نے۔'' نوالہ اسکے منہ کے پاس لیجاتے بولی۔

''بھوک نہیں ہے۔'' عنایہ نے اسکا ہاتھ پیچھے کر دیا۔

''چہ۔ کب تک۔ آخر کب تک۔'' نوالہ پلیٹ میں رکھ کر بولی۔

''جب تک سانس ہے۔''

''زندگی سانس سے مشروط ہے اور زندہ رہنے کیلئے کھانا پڑتا ہے۔ بھوکے رہ کر جنگ نہیں لڑی جا سکتی۔''

''جنگ کس احمق کو لڑنی ہے اور جینے کا شوق کس کو ہے۔'' رومیسہ نے الجھی نگاہوں سے دیکھا جیسے بات کا مطلب جاننا چاہ رہی ہو۔

''میں اتنا جانتی ہوں دونوں صورتوں میں جیت میری ہے صرف میری۔''

رومیسہ ناشتے کی ٹرے وہیں چھوڑ کر کمرے سے چلی گئی۔ اسکا دل عجیب سا ہو گیا۔ عنایہ کی ضد، اسکی باتیں، اسکا لہجہ، اسکا باغیانہ انداز بتا رہا تھا کہ کچھ غلط ہونیوالا ہے، بہت غلط، بہت برا۔

''احسن، احسن اٹھیں۔ اوہو، احسن اٹھیں مجھے بات کرنی ہے آپ سے۔'' رومیسہ بھاگی بھاگی کمرے میں آئی۔

''کیا بات ہے میسا۔ سونے دو تھوڑا سا۔ سارا دن پریڈ ہی ہونی ہے۔'' وہ نیند کے خمار میں بولا۔

''تھوڑا سا۔ دس بج رہے ہیں۔ اب اٹھ جائیں۔ مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' رومیسہ کا لب ولہجہ اسکو چونکا گیا۔

''سب ٹھیک تو ہے؟''

''احسن۔ یہ۔ یہ شادی روک دو۔ خدا کیلئے یہ شادی روک دو۔ میرا دل بہت ڈر رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کچھ ہونیوالا ہے۔'' رومیسہ حد درجہ پریشان تھی۔

''میسا میسا۔ ادھر بیٹھو۔'' اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔

''بتاؤ کیا ہوا ہے۔ کیوں روہانسی ہو رہی ہو؟ کیا بات ہے؟''

''احسن! مجھے عجیب عجیب سے وسوسے آ رہے ہیں۔ میرا دل کہہ رہا ہے کچھ ہونیوالا ہے۔ کسی طرح سے یہ شادی رکوا دیں۔''

''تمہارے سامنے مما پاپا سے بات کی تھی۔ تب نہیں مانے تو آج کونسا معجزہ ہو جائے گا جو وہ میری سن لیں گے۔'' احسن کے اندر کڑواہٹ گھل گئی۔

''وہ۔ وہ۔ عنایہ بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے خوفزدہ کر دینے والی، چونکا دینے والی، دہلا

دینے والی۔ دو دن سے کچھ نہیں کھایا اس نے۔ رو رو کر اپنا حال برا کر لیا ہے۔'' وہ سمجھ نہ پائی کیسے بتائے اسکی حالت۔

''اللہ۔ اللہ! کہاں جاؤں۔'' وہ سر پر ہاتھ مار کر کھڑا ہو گیا اور کمرے کے چکر کاٹنے لگا۔

''میں جاتا ہوں اسکے پاس۔''

رومیسہ اسکے پیچھے پیچھے عنایہ کے کمرے کی جانب چل دی۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا عنایہ کا حال دیکھ کر کٹ سا گیا۔

''کیا حالت بنالی ہے تم نے۔'' عنایہ کو سینے سے لگا کر وہ سسک پڑا۔

''اچھی بھلی تو ہوں۔ مجھے کیا ہونا ہے۔'' خود کو احسن سے الگ کرتے ہوئے بولی۔ آج بھائی کا سینہ اسکے عزائم کی راہ میں رکھا بڑا سا پتھر لگا۔ وہ ٹوٹنا نہ چاہتی تھی۔

''کاش میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا بیٹا۔''

''اپنے لئے کچھ نہ کر سکے بھائی میرے لئے کیا کرتے۔'' استہزائیہ ہنسی۔ نا امیدی، مایوسی، شکووں، حسرتوں کا ایک دریا اسکی آنکھوں میں بہہ رہا تھا۔

''کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ والدین کے آگے اولاد کو جھکنا پڑتا ہے۔ مکافاتِ عمل کا اِطلاق صرف اولاد پر ہوتا ہے؟ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے یہ محاورہ والدین پر اپلائی نہیں ہوتا؟ وہ ہر بات سے بری الذمہ ہوتے ہیں؟ کیوں، کیوں آخر کیوں بھائی۔'' آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ وہ دونوں خاموش رہے۔ کیا جواب دیتے۔

''بچوں کی پسند قربان کر کے، انکی خوشیوں کا قتل کر کے خوش رہنے کی دعا دینے والے ماں باپ کیوں بھول جاتے ہیں کہ خوشیاں وہی معتبر جو آپکی اولاد چاہے نہ کہ وہ جو آپ زبردستی ان پر مسلط کریں۔ بیٹی کو گائے بیل کی طرح اپنی مرضی کی جگہ ہانک کر سمجھتے ہیں فرض پورا ہو گیا

۔'' کھڑکی کے دونوں پٹ کھول کر لمبا سانس لیا۔

''جب اسلام اجازت دیتا ہے پسند کی شادی کی تو ہم آپ کیوں امیری غریبی، ذات برادری، زبان، بھرم اور انا کے چکر میں پڑتے ہیں؟'' آج وہ دل کا غبار نکال دینا چاہتی تھی۔

''فرمانبرداری کرنا اولاد کی ذمہ داری ہے۔ فرض ہے۔ بہت مان ہوتا ہے والدین کو اولاد پر کہ وہ انکی عزت کی ضامن ہے۔ مگر پتہ ہے کیا۔ اس مان، بھرم اور فخر کے چکر میں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ انکی فرمانبرداری کی خاطر بچے اپنی خوشی نحر کر رہے ہیں۔ جیسے میں نے کی۔ نبیلہ باجی نے کی اور اب تم۔''

''نہ۔ ہرگز نہیں۔'' عنایہ نے سختی سے بات کاٹ دی۔ احسن نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ رومیسہ ٹھیک کہہ رہی تھی بہت کچھ غلط ہونے کو تھا۔ عنایہ کی آنکھوں میں کچھ تھا۔ کچھ کر جانے کا عزم، حوصلہ، ارادہ، قوت اور ہمت۔

''میں اپنی محبت کو آپکی طرح نحر کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی بھائی۔ میرا دل آپ جیسا نہیں، میں نبیلہ آپی جیسی نہیں۔ میں ایک عام سی لڑکی ہوں جس کا دل چھوٹا ہے، بہت چھوٹا۔ میرا ظرف آپ لوگوں جیسا نہیں۔ میری آنکھوں نے ہاشم کا خواب دیکھا ہے۔ کوئی ان میں نہیں سما سکتا زندگی میں شامل ہونا تو دور کی بات ہے۔'' اسکا لہجہ پختہ اور دوٹوک تھا۔

''خواب خواب ہوتے ہیں پلکوں کی باڑ تک، حقیقت سے دور۔ سب خواب پورے ہوں ضروری نہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ انکی تعبیر وہ ہو جو ہم چاہتے ہیں۔ کچھ خواب ادھورے رہ جاتے ہیں۔ جبکہ بعض خوابوں کی تعبیر نہ ملنا ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ تم سمجھو ہاشم ایسا ہی ایک خواب ہے جسکی تعبیر ممکن نہیں۔'' رومیسہ نے اس دوران پہلی بار زبان کھولی جب احسن کو اسکے آگے ہارتے دیکھا۔

''ہاشم میرا خیال تھا نہ خواب، تصور تھا نہ تخیل۔ وہ جیتی جاگتی حقیقت ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی سچائی اور آپ کہتی ہیں خواب سمجھ کر بھول جاؤں۔ ہنہ۔ بھول جانا ممکن نہیں۔ ان فیکٹ میرے بس میں نہیں بھولنا۔''

''عنایہ۔ اللہ کا واسطہ ایسا۔'' رومیسہ نے ہاتھ جوڑتے کہا عنایہ نے بات کاٹ دی۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا آپ لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟ آپکو ڈر ہے کہ میں کہیں بھاگ نہ جاؤں۔ اپنے دل سے یہ وہم و خیال نکال دیں کہ میں ایسا کرونگی۔ ہاں کوشش کی تھی۔ کی تھی آفر میں نے ہاشم کو کہ کورٹ میرج کر لیتے ہیں مگر اس نے منع کر دیا۔ مکافاتِ عمل! جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

''غلط نہیں کہا۔ آج جو ہم اپنے پیرنٹس کو دیں گے ہماری اولاد سود سمیت ہمیں واپس کرے گی۔'' احسن نے کہا تو عنایہ نے رخ موڑ لیا۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دیں پلیز۔ جائیں یہاں سے۔''

رومیسہ کو احسن نے اٹھنے کا اشارہ دیا۔

''احسن بھائی زبیر بھائی میری ڈول نہیں دے رہے۔ کہتے ہیں تم بڑی ہو گئی ہو۔'' منہ بسورتے ہوئے وہ مضحکہ خیز لگتی تھی۔ احسن کو ہنسی آ گئی جس پر وہ مزید تپ گئی۔

''آپ سب بھائی گندے ہیں۔ مجھے تنگ کرتے ہیں میں کسی سے بات نہیں کرونگی۔'' گول مٹول، لال گلابی گال، شہد جیسی آنکھوں والی بچی نے خفگی سے کہا تو احسن نے اسے گود میں اٹھا لیا۔

''ابھی پٹائی کرتا ہوں زبیر کی۔''

''یاہو۔ یہ ہوئی نہ بات۔ میرے اچھے بھائی۔'' تالیاں بجاتے ہوئے وہ خوشدلی سے بولی تو احسن کا دل کھل اٹھا۔

''میرے ہوتے ہوئے فکر مت کیا کرو۔''

احسن نے آنکھیں بند کرلیں۔ ہر منظر فلم کی مانند چل رہا تھا۔ منظر بدل گیا۔

''کیا بات ہے بیٹا۔ تم رو کیوں رہی ہو۔'' درخت کے نیچے بیٹھی اپنی پریکٹیکل کی بکس دیکھ رہی تھی۔

''آپ کیا کرلیں جان کر۔'' جوش دلانے کیلئے بیچارگی سے جواب دیا۔ حالانکہ آنکھیں زکام کی وجہ سے سرخ ہورہی تھیں۔ اسکے دماغ نے فوراً کام کیا۔ پریکٹیکل کی کاپی اسکے آگے کردی۔

''یہ کیا۔''

''پریکٹیکل کی کاپی ہے۔''

''ہاں ہاں دیکھ رہا ہوں۔ مگر مجھے کیوں دے رہی ہو۔'' وہ ناسمجھی کے انداز میں بولا۔ سمجھ وہ چکا تھا کہ عنایہ چاہتی کیا ہے۔

''میرے اچھے بھائی، میرے پیارے بھائی مجھے میم سے مار پڑے گی۔ ڈائیگرامز بنادو نا۔''

''خود کیوں نہیں بنارہی۔''

''آج پاکستان بنگلہ دیش کا میچ ہے۔ مجھے دیکھنا ہے۔ شروع ہونیوالا ہے۔ بنادو نا اچھے بھائی۔'' اٹھلاتے ہوئے بولی تو احسن کو ہاں کرنا پڑی۔ جوس لاتی رومیسہ ہنس پڑی۔

''میچ کی دیوانی۔'' جاتے جاتے رومیسہ کے اس جملے نے اسے ہنسنے پر مجبور کردیا۔

منظر بدلا۔

''بھائی مجھے بات کرنی ہے۔'' احسن سمجھ نہ پایا وہ پریشان ہے یا ایکٹنگ کررہی ہے۔

''پہلے کبھی اجازت لینے کی ضرورت پڑی کیا۔''

وہ شرمندہ ہوگئی۔

''بھائی! مجھے ابھی شادی وادی نہیں کرنی۔ ابھی تو ایگزامز دیئے ہیں۔ مجھے آگے پڑھنا ہے۔ ایم بی اے کرنا ہے۔ مما میری ایک نہیں سن رہیں۔'' بغیر تاخیر وہ اصل مدعے پر آئی۔

''اچھا تو جیسا میری بیٹی کہے۔ یہ کونسی بڑی بات ہے۔ میں مما پاپا سے بات کرونگا۔'' وہ فوراً راضی ہوگیا۔

''یہ بھی کہہ دیجئے گا منگنی نکاح کچھ بھی نہیں۔ مجھے توجہ سے پڑھنا ہے۔ منگنی یا نکاح کے بعد پڑھائی میں کہاں دل لگتا ہے۔''

''اچھا جناب! کیا بات ہے۔ تمہیں بہت تجربہ ہے۔''

''کہاں بھائی۔ رومیسہ بھابھی کی مثال لے لیں۔ میٹرک کیا نہیں دلہن بن کر نازل ہو گئیں بلکہ ہماری مما نے نازل کیا زبردستی۔ حالانکہ بھابھی پڑھنا چاہتی تھیں۔'' رومیسہ کو دیکھ کر پل بھر کو احسن کا رنگ بدلا۔

''عنایہ۔ بیٹا لفظوں کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔''

''کیا غلط کہا عنایہ نے۔ صحیح تو کہہ رہی ہے۔ آپ تھرڈ ایئر میں تھے جب ہماری شادی ہوئی۔ میں نے تو میٹرک کی چھٹیاں بھی انجوائے نہیں کی تھیں۔'' رومیسہ ہنستے ہوئے بولی تو احسن کا دل ہلکا ہوا۔ اسے لگا رومیسہ کو عنایہ کی بات بری نہ لگی ہو۔

''ہم ایجوکیٹڈ فیملی سے ضرور ہیں لیکن سوچ۔ سوچ وہی کہ کم عمری میں شادی بہتر ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہر کسی کا اپنا نظریہ ہے کیا کہہ سکتے ہیں۔ مما کا نقطہ نظر بھی کوئی نہیں بدل سکتا۔ پاپا نہیں بدل سکے تو ہم کیا چیز ہیں۔''

''ہم کوئی چیز نہیں اولاد ہیں بھائی۔ رہی بات پاپا کی۔ وہ تو خود بدل گئے ہیں انکے ساتھ رہتے رہتے۔'' عنایہ نے تلخ حقیقت بیان کی۔

''تم جاؤ۔ میں بات کرلونگا۔ بدگمان مت ہوا کرو۔ پیرنٹس ہیں ہمارے۔'' احسن نے مزید بات کرنے سے منع کیا۔

''آج ہی کرنی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔

''عنایہ مسکراہٹیں اور رونقیں لے کر آتی ہے۔ جب جاتی ہے تو ہمارا کمرا ویران کر جاتی ہے۔ احسن جب اسکی شادی ہوگی تو گھر ہی ویران ہو جائے گا۔ کیا کریں گے ہم؟ مجھے اسکی عادت ہو چکی ہے۔ ایسا لگتا ہے میری اپنی بیٹی ہو۔'' رومیسہ نے کہا تو احسن نے ہاتھ تھام کر ہاں میں ہاں ملائی۔

''بیٹی ہی ہے وہ۔ میری پیاری بیٹی۔''

''کاش اللہ ہمیں بھی عنایہ جیسی پیاری بیٹی سے نواز دے۔'' رومیسہ کا ادھورا پن زبان پر آ گیا۔

''دے گا۔ ضرور دے گا۔ اسکے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔'' احسن سے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

احسن نے اسکی ہر بات پر لبیک کہا تھا۔ ہر خواہش پوری کرتا تھا۔ ہر ضد مانتا تھی۔ چھوٹی سے چھوٹی بات، چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ لے کر وہ احسن کے پاس جاتی تھی جسے وہ منٹوں میں حل کر دیتا تھا۔ اسکی شادی کو کافی سال ہو چکے تھے۔ اولاد کی نعمت سے محروم ہونے کے باوجود مایوس نہیں تھا۔ عنایہ کو وہ بیٹی کہتا نہیں تھا سمجھتا بھی تھا۔ رومیسہ اسکی خالہ زاد بھی تھی اور بھابھی بھی۔ عنایہ سے سلوک میں فرق نہ رکھا بلکہ احسن کی خاطر اسکی ہر ضرورت کا کہے بغیر خیال رکھتی تھی۔

ہر سو خوشیاں رقص کر رہی تھیں۔ مسرتوں کا سماں تھا، قہقہے، مسکراہٹیں، چٹکلے، باتیں، روشنیاں، رونقیں! دیدہ زیب، رنگین و خوبصورت لباس میں ملبوس ادھر ادھر گھومتی پھرتی لڑکیاں فضا میں تتلیوں کی طرح رنگ و بو بکھیر رہی تھیں۔ پھولوں، پرفیومز اور میک اَپ کی ملی جلی خوشبو سے ماحول مہک رہا تھا، فضاء معطر ہو رہی تھی۔ چونکہ نکاح تھا اسلئے انتظام گھر کے لان میں ہی کیا گیا تھا جو روشنیوں سے جھلملا رہا تھا۔ لان میں لگے چھوٹے بڑے پودے برقی قمقموں سے چمک رہے تھے۔ روشنی ہر چیز کو منور کر رہی تھی۔ لائٹوں سے نکلنے والی روشنی دوشیزاؤں کے حسن کو مزید نکھار رہی تھی۔ سب مکمل تھا۔ پرفیکٹ۔ بھائیوں نے کسی چیز کی کسر نہ چھوڑی تھی۔ کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی تھی۔

''اقصیٰ! ذرا آپا کو فون ملا کر پتہ کرو کہاں رہ گئے یہ لوگ۔ ساڑھے آٹھ ہو گئے ہیں۔'' نگین ماجد ساڑھی سنبھالتے ہوئے بولیں۔

''کامران کو کال کی تھی اس نے نمبر بزی کر دیا۔ لگتا ہے راستے میں ہیں۔'' سیلفی لیتے لیتے جواب آیا۔

''شزاء بیٹا! جا کر دیکھو عنایہ تیار ہوئی۔''

''بڑی مما! میں اپنی فرینڈ کا ویٹ (انتظار) کر رہی ہوں۔ آپ کسی اور کو کہہ دیں پلیز۔'' نگین کو پیار کر کے لاڈ سے کہا۔ نظریں گیٹ کی جانب تھیں۔

''اچھا اچھا۔ مسکا نہ لگاؤ۔ میک اَپ خراب ہو جائے گا۔''

''آپکا یا میرا۔'' شزاء نے چھیڑا۔

''دونوں کا۔ اچھا انتظار کرو۔''

''رومیسہ کہاں غائب ہو۔ جا کر عنایہ کو دیکھو تیار ہوئی کہ نہیں۔ میں جب تک تمہارے

خالو کو لے آؤں۔'' جاتے جاتے رومیسہ کو حکم صادر کیا۔ وہ جی اچھا ہی کہہ سکی۔ کیا کہتی پچھلے دو گھنٹوں سے دروازہ پیٹ رہی ہے وہ کھول کر نہیں دے رہی۔

''ارے آپ اب تک یہیں ہیں۔ وہ لوگ راستے میں ہیں کسی بھی وقت آ سکتے ہیں۔'' ویل چیئر پکڑتے ہوئے بولیں۔

''دل گھبرا رہا تھا سوچا تھوڑی دیر تنہا بیٹھ جاؤں شاید طبیعت بہتر ہو جائے۔''

''کمال کرتے ہیں ماجد۔ طبیعت تنہائی سے بہتر ہوتی ہے کیا۔ آپ بھی۔'' شیشے کے آگے بالوں کو سیٹ کرتے ہوئیں بولیں۔

''چلیں۔'' ویل چیئر دروازے تک لیجاتے ہوئے پروفیسر ماجد نے کہا۔ وہ بالوں کی لٹ میں کرم ڈال کر باہر کی جانب چل دیں۔

''بات سنیئے۔'' مشکل سے احسن کو ڈھونڈ کر سائیڈ پر لے گئی۔

''عنایہ دروازہ نہیں کھول رہی۔ میں کھٹکھٹا کر تھک گئی ہوں۔ مصباح اور نبیلہ باجی نے بھی کوشش کی مگر جواب نہیں دے رہی۔ مم۔ مجھے لگتا ہے کچھ ہونیوالا ہے۔ میرا دل بیٹھ رہا ہے۔'' احسن کا رنگ مزید پیلا پڑ گیا۔ صبح سے اسکا دل بھی عجیب ہو رہا تھا۔ وسوسوں کا ناگ بار بار ڈس رہا تھا۔

''کیا اول فول بول رہی ہو میسا۔ میرا دل بھی ہولا رہی ہو۔'' وہ تیزی سے عنایہ کے کمرے کی طرف بھاگا۔ باہر کھڑے ہمت مجتمع کرتے ہوئے لمبا سانس لیا اور دروازہ بجایا۔

''عنایہ۔ عنایہ۔ عنایہ دروازہ کھولو بیٹا۔''

جواب ندارد۔

''عنایہ! میرے بیٹے ایک بار دروازہ کھول دو۔ دیکھو تمہارا بھائی آیا ہے۔ ضد چھوڑ دو

گڑیا۔اچھا سنو۔میں وعدہ کرتا ہوں تمہاری مرضی کیخلاف کچھ نہیں ہونے دونگا۔مم۔میں کھڑا ہونگا تمہارے ساتھ۔کھول دو دروازہ بیٹے۔'' سر دروازے پر رکھے گڑگڑاتے ہوئے وہ رونے کے قریب تھا۔

عنایہ سب سے زیادہ اسی کے قریب تھی۔کوئی بات منوانی ہوتی یا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا وہ احسن کے پاس جاتی تھی۔منٹوں میں اسکا مسئلہ حل کر کے اسکے ہونٹوں پر تبسم بکھیر دیتا۔

''میرے ہوتے ہوئے پریشان مت ہوا کرو میرے بیٹے۔'' اسکے سر پر ہاتھ رکھے وہ ہمیشہ یہی جملہ کہتا اور وہ ہنستے ہوئے اسکے چوڑے سینے پر سر رکھ کر پرسکون ہو جاتی تھی۔اس معاملے پر اس نے نہ کسی سے بحث کی نہ ضد اور نہ ہی ہمیشہ کی طرح احسن کے پاس گئی۔بلکہ احسن کو رومیسہ کے کہنے پر اسکے پاس جانا پڑا تا کہ سمجھا سکے۔نتیجہ صفر رہا۔اب اسے احساس ہوا کہ اس معاملے کو ہلکا لے کر غلطی کی۔اسکا دل انجانے اندیشے سے دھڑکنے لگا۔

''عنایہ! خدا کیلیے ہماری بات سنو۔احسن آئے ہیں۔تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔'' اپنا نام سن کر وہ چونکا۔

''ہاں۔ہاں ہاں۔میں آیا ہوں۔''

''تم دونوں یہاں؟۔'' زبیر کمرے سے نکلا تو احسن کو روتے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔اس نے جلدی سے آنکھیں صاف کیں۔

''عنایہ! دروازہ نہیں کھول رہی۔''

''پریشان ہونیوالی کونسی بات ہے۔تیار ہو رہی ہو گی وقت لگتا ہے تیاری میں۔'' بٹن بند کرتے ہوئے بے فکری سے بولا۔

''زبیر بھائی! ہم پچھلے دو گھنٹوں سے کوشش کر رہے ہیں وہ نہیں کھول رہی۔اندر کوئی نہیں

اسکے ساتھ جو تیاری میں مدد دے۔'' رومیسہ نے کہا

تھوڑی دیر میں مصباح، نگین، نبیلہ، الوینہ وہاں موجود تھیں۔ سب نے کوشش کی دروازہ نہ کھلا۔

''عنایہ! دروازہ کھولو۔ ڈرامہ مت کرو۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے۔ کیوں تماشا بنوانے پر تلی ہوئی ہو۔'' نگین ماجد نے دروازہ بجاتے ہوئے کہا تو پروفیسر ماجد سمیت رومیسہ اور احسن نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا جسے بیٹی کی ذرا بھی پرواہ نہیں تھی۔ اب بھی عزت کی پرواہ تھی، لوگوں کا خیال تھا۔

''مجھے لگتا ہے لاک توڑنا ہوگا۔'' الوینہ نے بالوں کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

''دماغ خراب کر دیا ہے اس لڑکی نے۔ بے عزت کروانے پر تلی ہوئی ہے۔'' نگین ماجد نے کہا۔ نبیلہ، الوینہ اور رومیسہ نے تاسف سے دیکھا جنکے چہرے پر کوئی پریشانی نہیں تھی۔ فکر تھی تو عزت کی۔

''خالہ جان! مہمان آ گئے ہیں۔ کتنا وقت لگے گا عنایہ کو تیاری میں۔'' اقصیٰ شرارہ سنبھالتے ہوئے بولی۔

''تم مہمانوں کے پاس جاؤ۔ ہم آتے ہیں اسکو لے کر۔'' نبیلہ نے کہا۔ سب کی موجودگی اقصیٰ کو حیران کر رہی تھی۔ ایک عنایہ کو لینے کیلئے سب موجود تھے۔ سر کو ایک ادا سے جھٹک کر وہ باہر چلی گئی۔

زبیر نے مشکل سے دروازے کا لاک توڑا۔ اندر کا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔ ایسا لگتا تھا سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ کوئی کچھ بول سکا نہ واویلہ مچا سکا۔ احسن اپنا سینہ مسلتا نیچے بیٹھ گیا۔ اسکا رنگ خطرناک حد تک پیلا پڑ چکا تھا۔ رومیسہ کو ہوش نہ رہا کہ احسن کی طرف توجہ کرتی۔ وہ عنایہ کے بے جان وجود کو دیکھ کر سکتے میں تھی جسے زبیر بازوؤں میں لئے بیٹھا تھا۔ ہوش میں

آتے ہی الوینہ نے چیخ ماری۔خوشیوں و رعنائیوں سے بھرپور لڑکی مر چکی تھی۔ دم توڑتی حسرتیں،ادھوری خواہشیں، بکھرے خواب، بیکراں آہیں، گھٹی گھٹی سسکیاں سب سمیٹ کر لے گئی۔

رونے کی آوازیں سن کر سب اندر کی طرف بھاگے۔ پروفیسر ماجد ویل چیئر گھسیٹتے ہوئے اندر آئے۔ بیٹی کی لاش دیکھ کر کرسی سے نیچے گر گئے۔ جیسے تیسے کر کے اس تک پہنچے، اسکا سر اپنی نیم ٹوٹی ٹانگوں پر رکھ کر دھاڑیں مار کر رونے لگے۔تھوڑی ہی دیر میں گھر میں صفِ ماتم بچھ گیا۔خوشیوں، روشنیوں، قہقہوں، مسکراہٹوں اور خوشبوؤں کو موت نے ایک پل میں نگل لیا۔ایک پل لگا موت کو صرف ایک پل۔

رومیسہ نے احسن کو دیکھا جسکا سر دروازے کی چوکھٹ پر تھا۔وہ یوں بیٹھا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ رومیسہ اسکے قدموں کے پاس بیٹھ کر الفاظ ترتیب دینے لگی۔ کچھ کہنے کیلئے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اسکا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

''احسن۔احسن۔''اسکو جھنجھوڑتے ہوئے وہ چیخی۔ زبیر بھاگ کر احسن کے پاس گیا۔ نبض چیک کی اور سر دیوار کیساتھ ٹکا کر رونے لگ گیا۔

''ماموں ممانی یہ بول نہیں رہے۔احسن اٹھیں۔ زبیر بھائی یہ۔یہ بولتے کیوں نہیں۔'' زبیر کا رونا اس بات کی گواہی تھا یہ زندگی کی ڈور ٹوٹ چکی ہے۔عنایہ کی موت کا صدمہ ایک اور زندگی نگل گیا۔

''نن۔نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔عنایہ!تم کہو اپنے بھائی کو ایسا مت کریں۔ چلو تم بھی اٹھ جاؤ اب۔تنگ نہیں کرو۔اٹھ نہ بیٹا۔ دیکھو تمہارے بھائی بھی نہیں اٹھ رہے۔ میری گڑیا اٹھاؤ نہ احسن کو۔'' عنایہ کی لاش کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ الوینہ نے اسکو پکڑا۔ وہ بیہوش ہو کر اسکے

بازوؤں میں جھول گئی۔ نگین ایک کونے میں کھڑی حیرت سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جیسے سب خواب ہو۔

''عنایہ نے خودکشی کرلی۔ توبہ توبہ حرام موت وہ کیوں بھلا۔'' کہیں سے آواز آئی۔

''لگتا ہے کسی کو پسند کرتی ہوگی۔ مرضی کے خلاف شادی کروا رہے ہونگے گھر والے تبھی جان دے دی۔ چہ چہ۔'' ایک اور نے اپنا نقطہ نظر پیش کرنا ضروری سمجھا۔

''پڑھی لکھی فیملی ہے لڑکی کی مرضی کے خلاف شادی کیوں کریں گے بھلا۔'' ناسمجھ عورت بولی۔

''اچھی خاصی ذی شعور، سمجھدار، ہنس مکھ اور گھلنے ملنے والی لڑکی تھی۔ خود تو مری۔ بھائی کو بھی مار گئی اور تو اور ماں باپ کی عزت کو سوالیہ نشان بنا دیا۔'' لوگ بغیر جانے چہ مگوئیوں میں مصروف تھے۔

''چہ چہ۔ کیسے مٹی کے حوالے کرتا بہن کو۔ بہت محبت کرتا تھا عنایہ سے۔ ایک پل کیلئے الگ نہیں رکھتا تھا خود سے۔ شادی کے بعد بھی عنایہ کی پرچھائی بنا رہا۔''

''کس قدر بے حس ہیں۔ ہماری آہ و بکا، ہمارے آنسو، ہمارا دکھ دیکھ کر آپ کا دل نہیں تڑپ رہا؟ سارے نتائج یہیں اخذ کرلیں گے؟ کچھ بعد کیلئے رکھ چھوڑیں اور تماشہ دیکھنے کی بجائے خدارا اپنے گھروں کا رخ کریں۔ جائیں چلے جائیں۔'' الوینہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ شزاء نے اسے گلے لگالیا۔

ماتم کا سماں تھا۔ چیخ و پکار!

داغِ فراق و حسرتِ وصل آرزوئے شوق
میں ساتھ زیرِ خاک بھی ہنگامہ لے گیا!

میرا شام سلونا شاہ پیا
ہمیں مار گئی تیری چاہ پیا
ہمیں جنگل جنگل بھٹکا دو
ہمیں سولی سولی لٹکا دو
ہم پار جو گئے تیری راہ پیا
میرا شام سلونا شاہ پیا
تیری شکل بصارت آنکھوں میں
تیرا لمس ریاضت باتوں میں
تیرا نام لبوں کی عادت ہے
میری ایک ایک سانس گواہ پیا
میرا شام سلونا شاہ پیا
ہمیں مار گئی تیری چاہ پیا

''مر گئی پھولوں جیسی لڑکی۔ محبت کی خاطر جان کی بازی ہار گئی۔ میری خاطر میری محبت کی خاطر اپنا آپ مار ڈالا۔ مٹی کے ڈھیر تلے سکون کی نیند سوئی ہوئی ہے۔ طمانچہ مار دیا ذات پات ماننے والوں کے گال پر، بتا دیا زبان کا بھرم رکھنے والوں کو کہ محبت کرنیوالا ہر شخص ہلکا نہیں ہوتا۔ کچھ میں محبت کے جرثومے اس قدر پائے جاتے ہیں جنکو نکالنے کے چکر میں وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ آہ! جرثومۂ حب ختم نہیں ہوتا انسان ختم ہو جاتا ہے۔''

''خودکشی کر کے سکون کی نیند سونا۔ ناممکن۔ ہر پل، ہر لمحے اسے وہی موت بار بار دی جاتی

ہے جسکا انتخاب اس نے کیا ہوتا ہے۔اسے بار بار وہی تکلیف واذیت دی جاتی ہے جسکا مزہ وہ دنیا میں لے چکا ہوتا ہے۔'' ہاشم کے چہرے پر ناگواری کے اثرات ابھرے۔چہرے پر غصے کے آثار نمایاں تھے جسے وہ فون سے دیکھنے سے رہی۔اس لئے بولی جارہی تھی۔

''مجھے دکھ ہے مگر خودکشی حرام ہے اور حرام موت مرنا مطلب آخرت تک وہی عذاب، وہی تکلیف، وہی اذیت مسلسل۔بار بار۔ہر بار۔''

''تمہارے لئے باتیں کرنا آسان ہے بہت آسان ہوتا ہے جزا وسزا کا بتانا۔محبت کھو دینے کا احساس وہی جان سکتا ہے جو شدت سے کسی کو چاہتا ہے۔وہ مجھے بے پناہ چاہتی تھی، بے حد، بہت زیادہ۔کسی اور کا ہونے کا تصور اسکے لئے سوہانِ روح تھا۔تم کیا جانو۔تم نے کونسا محبت کی ہے۔''

مہرین اسکے لہجے کی سختی اور تلخی محسوس کرسکتی تھی۔اس نے غصے سے فون کاٹ دیا۔مہرین کتنی دیر موبائل ہاتھ میں لے کر بیٹھی رہی کہ شاید کال یا میسج آجائے مگر موبائل نے رات کے سناٹے کی طرح خاموشی نہ توڑی۔

ناراضگی وغصے کی پرواہ وہاں کی جاتی ہے جہاں کسی کیلئے دل میں گوشۂ محبت موجود ہو۔اس کے دل میں مہرین کیلئے نرم گوشہ تو موجود تھا مگر گوشۂ خاص ہرگز نہیں جو معذرت کیلئے اسکو میسج یا فون کرتا۔اسکی نسبت عاصم کیساتھ طے تھی اور کزن ہونے کے ناطے وہ اس سے ہنس بول لیتا تھا۔مگر اسکی آنکھوں میں اپنے لئے انوکھے، اَن کہے اور دل آویز رنگ دیکھ کر یہ سچ بتانا پڑا تاکہ وہ جان سکے کہ اسکی زندگی میں ایک محبت کی گنجائش تھی۔اس سے پہلے اس کے بعد کوئی نہیں۔کبھی نہیں۔

بیٹھک نما کمرے میں سب موجود تھے۔ چوہدری وجاہت ایوب نے چائے کا کپ سائیڈ پر رکھا۔ گھڑی کی طرف دیکھا جو ساڑھے چار بجا رہی تھی۔

''ہاشم اور عاصم کہاں رہ گئے۔ آدھا گھنٹہ ہو گیا انتظار کرتے۔''

اتنے میں دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔

''خیریت پاپا۔ سب کو اکٹھا کیا۔ کوئی خاص بات۔'' عاصم نے پوچھا۔ ہاشم جانتا تھا یہ محفل بلاوجہ نہیں ہے۔

''بغیر تمہید کے اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ میں نے حفیظ سے مہرین کا ہاتھ مانگا تھا عاصم کیلئے۔ سوچا کیوں نہ باقاعدہ رشتہ ڈال دوں کیونکہ مہرین کیلئے اسکی خالہ، ماموں اور تم لوگوں کی پھپھو بھی اصرار کر رہی ہیں۔ حفیظ چاہتا ہے باقاعدہ منگنی کی رسم کر لی جائے تاکہ سب کو پتہ چل جائے وہ عاصم کی امانت ہے۔''

''پاپا! میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ۔ کہ میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔ بار بار ایک ہی بات۔'' ہاشم نے عاصم کا ہاتھ دبا کر نارمل رہنے کا اشارہ دیا۔

''پاپا! شادی گڈا گڈی کا کھیل نہیں جو دو لوگوں کے کہنے پر کر دی جائے۔ زندگی میں نے گزارنی ہے۔ مجھے اپنے لئے پڑھی لکھی اور سمجھدار لائف پارٹنر چاہیے۔ مہرین کم عمر ہے اور تعلیم حاصل کرنے کے مراحل میں ہے۔''

''شادی اسکی تعلیم پوری ہونے کے بعد ہوگی۔'' انہوں نے تسلی دی۔

''پاپا! مجھے وقت دیں سوچنے کیلئے۔ میں نے اسکو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔'' اس نے پیچھا چھڑوانا چاہا۔

''ہادیہ کی شادی پر ایک ہفتے کیلئے آئے گی رکنے۔ اچھی طرح پرکھ لینا اسکو۔ شادی

بہر حال اسی سے ہوگی۔'' وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔

''واہ۔ کی گل اے تہاڈی۔ اگر شادی اسی سے کروانی ہے تو پرکھنے کا فائدہ؟ یہ سہولت کیونکر اگر میری مرضی کی وقعت نہیں۔'' عاصم تپ گیا۔

''ٹھیک ہے پاپا۔ جیسا آپ کہیں۔ عاصم کافی وقت پڑا ہے سوچنے کیلئے۔'' ہاشم نے بدمزگی سے بچنے کیلئے اسکو کمرے سے باہر بھیجنا چاہا۔

''سوچ کر نہ سوچ کر بھی اسی سے شادی کرنی ہے تو سوچ کر وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ۔ آئی ایم سوری پاپا۔ آپکا یہ پہلا حکم ہے جو میں نہیں مان سکتا۔ زندگی مجھے گزارنی ہے۔ کس کیساتھ گزارنی ہے وہ میں جانتا ہوں۔ انتخاب کر چکا ہوں۔'' عاصم نے صاف گوئی سے کہا۔ سب حیران پریشان اسکو دیکھ رہے تھے۔

''ایک ہفتہ رکنا ہے اس نے۔'' چوہدری وجاہت نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ نزہت بیگم نے سہارے لئے تھام لیا۔ وہ کمرے سے چلے گئے۔ عاصم پیر پٹختا چھت پر چلا گیا۔ سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا جیسے سارا غبار سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ اڑا دینا چاہتا ہو۔

''اوتو ایتھے بیٹھا سگریٹ پھونکی جاندا ایں۔ کسی کو کلھ فرق نئی پینا (تم یہاں بیٹھے سگریٹ پھونک رہے ہو۔ کسی کو ذرا فرق نہیں پڑنا)۔'' ہاشم نے مزاح کا ماحول پیدا کرنا چاہا۔

''جانتا ہوں کسی کو فرق نہیں پڑتا۔ یار اگر پڑھ لکھ کر بھی ذات پات کے گرد ہی گھومنا ہے تو کیا فائدہ عقل و شعور کی سیڑھیاں چڑھانے کا۔ بندہ جاہل بھلا جسکے ساتھ مرضی باندھ دیں۔'' وہ سخت خائف تھا۔

''یو آر پرفیکٹلی آل رائٹ عاصم۔ تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں۔ لیکن یار یہ جو

ہمارے بڑے ہوتے ہیں نا۔اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ماں باپ ہونے کا حق جتاتے ہیں۔اولاد پر اپنی مرضی مسلط کرتے ہیں۔اور سمجھتے ہیں زندگی کا سکھ دے رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔مگر کیا کریں یار۔بڑے ہیں ہمارے۔اس طرح ری ایکشن دکھائیں گے تو بات خراب ہی ہوگی۔'' اسکے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''میں کسی اور میں انٹرسٹڈ ہوں۔کیسے مہرین کو زندگی کا ساتھی بنالوں۔پاپا حد کرتے ہیں۔'' سگریٹ ایک طرف پھینکتے ہوئے بولا۔

''پاپا چاہتے ہیں رشتہ مضبوط ہوجائے اور کوئی وجہ نہیں۔''

''تو کریں رشتہ مضبوط و مستحکم۔شوق سے کریں۔مجھے کیوں قربان کر رہے ہیں۔اور ویسے بھی خون خون سے الگ ہوا ہے کبھی جو خون کے رشتے کو ایک اور رشتے میں باندھ رہے ہیں۔کمال ہے یار۔'' وہ ایکدم کھڑا ہوگیا۔

''کہاں چلے۔'' ہاشم نے پوچھا۔

''واش روم۔چلو گے ساتھ۔'' تنک کر جواب ملا تو ہاشم اپنی ہنسی ضبط نہ کرسکا۔

پورا گھر جگمگا رہا تھا۔برقی قمقموں نے در و دیوار کو لپیٹ رکھا تھا۔ہر منظر روشن و شفاف تھا۔اسٹیج پیلے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔آج ہادیہ کی مہندی تھی۔انتظام صحن میں کیا گیا تھا۔مہرین ایک دن پہلے ہی اپنی والدہ اور بھابھی سمیت آچکی تھی۔آدھے سے زیادہ کام اس نے سمیٹ لئے تھے۔

ابھی بھی پیلا کرتا، سبز چوڑی دار پاجامہ زیب تن کئے وہ انتہا کی خوبصورت لگ رہی تھی۔ساحرہ جیسی گھنی لمبی پلکوں نے اسکی خوبصورتی کو بڑھا دیا۔سانولے رنگ پر ہلکے میک اَپ

نے اسکے روپ کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ پیلے پراندے میں باندھے گئے بالوں کی لٹیں اڑ کر گالوں کیساتھ چھیڑ خانی کر رہی تھیں۔ اس نے آج پہلی بار اسکو غور سے دیکھا تھا۔ لمحے بھر کو دل بے ایمان ہوا۔ جیسے ہی مہرین کی نظر اس پر پڑی اس نے فوراً رخ موڑ لیا۔ مہرین کا دل دھڑکا۔ چہرے پر حیا کی لالی چھا گئی۔ سفید شلوار قمیض میں ملبوس وہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اسکو دل میں اترتا محسوس ہوا۔

''مہرین چلو رسم کرلو۔ بڑے کر چکے ہیں۔'' مہرین کی والدہ نسرین نے کہا تو وہ چونک گئی۔

''جی چلیں امی۔'' وہ سرعت سے آگے بڑھ گئی۔ سارا وقت دو نگاہوں کا احساس اسے مسکرانے پر مجبور کر دیتا۔ ایک عجیب سا سرور، لطف، خوشی رگ و پے میں سرایت کر رہی تھی۔ اسے ہاشم کی نظروں کے حصار میں رہنا اچھا لگ رہا تھا۔

کسی کی نظروں کے حصار میں ہیں
ہمارے چہرے پہ رونق بلا کی ہے!

آدھی رات مستیاں کرنے میں گزر گئی، آدھی رات ہاشم کے تصور میں سوتے جاگتے۔ دل ایک پرسرور لے پر جھوم رہا تھا۔ وہ اس کیفیت کو سمجھ نہ پائی۔ وہ اچھا لگتا تھا، اس سے باتیں کرنا، اسکے میسج اور کال کا انتظار کرنا۔ مگر اب جو ہو رہا تھا وہ نیا، انوکھا اور مسحور کن تھا۔ وہ اسکی نظروں کی قید سے نکلنا چاہتی تھی نہ خود کو اسکی سوچ سے آزاد کرنا چاہتی تھی۔

صبح روشن اور کھلی کھلی تھی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی کی وجہ سے موسم خوشگوار ہو چکا تھا۔ مہرین نے سنعیہ اور زنیرہ کیساتھ مل کر سب کیلئے ناشتہ لگوایا۔ نان، پائے اور حلوہ پوری بازار سے منگوا لی گئی تھی۔ مہرین نے چائے کا پانی رکھ دیا۔ پانی کا گلاس لے کر نسرین کو دوا دینے گئی تو راستے میں ہاشم سے ٹکراؤ ہوتے ہوتے بچا۔

''اواللہ کی بندی دیکھ کہ چل لیا کر۔'' ہاشم نے کہا۔

''راستے میں آپ آئے اور الزام مجھے۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں۔'' وہ شوخ ہوئی۔ اس نے دیکھا ہنستے ہوئے وہ اور بھی اچھی لگتی تھی۔ سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ مہرین دیکھتی رہ گئی کہ ایسا کیا غلط کہہ دیا۔

''عجیب انسان ہیں۔ ایویں ای منہ بنالیا۔'' وہ ماں کو دوائی دینے کیلئے آگے بڑھ گئی۔

شام ہوتے ہی گھر میں بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔ ہر کوئی وقت پر تیار ہونے کے چکر میں تھا۔ کسی کو کپڑے پریس کرنے تھے، کسی کو بالوں میں کرل ڈالنا تھا، کسی کو بال اسٹریٹ کروانے کیلئے اسٹریٹنر چاہیے تھا تو کسی کو کپڑے پریس کرنے کیلئے استری۔ ہر کوئی مصروف تھا، ہر کسی کو اپنی پرواہ تھی۔

''جلدی جلدی تیار ہو جاؤ۔ آٹھ بجے ہر حال میں میرج ہال پہنچنا ہے۔ دس بجے کے بعد ایک منٹ بھی رکنے نہیں دیں گے۔'' نزہت نے با آواز بلند کہا۔

ڈارک بلیو میکسی اس پر پرچ رہی تھی۔ اس کے اوپر سلور ستاروں سے کام ہوا تھا۔ جسکی چمک برقی قمقموں کی روشنی کیساتھ مل کر اس کے چہرے پر پڑ کر اسکے حسن کو مزید روشن کر رہی تھی۔ بالوں کو کھلا چھوڑ کر اس پر فاصلے فاصلے سے موتیوں کی مالا لگائی ہوئی تھی۔ کسی کام کیلئے کمرے میں آیا تھا۔ ایک پل کو پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ عام نقوش والی لڑکی اس حد تک حسین بھی لگ سکتی ہے۔ وہ کھو سا گیا۔ بظاہر نگاہیں مہرین پر تھیں مگر دماغ کہیں اور تھا۔

''یوں لگتا ہے یہ رنگ بنا ہی تمہارے لئے ہے۔'' نیوی بلیو گول دامن والی قمیض کیساتھ ڈارک ریڈ پٹیالا شلوار پہنے وہ بے حد کی خوبصورت لگ رہی تھی۔ نیوی بلیو رنگ اسکی سرخ و

سفید رنگت کو مزید نکھار دیتا تھا۔

''اچھا، نوازش!'' کندھوں تک آتے گولڈن بال ایک ادا سے جھٹکتے ہوئے بولی۔

''ہماری شادی والے دن تم اسی کلر کا ڈریس پہننا۔'' اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا تو وہ شرما دی

''ہاشم۔ بس بھی کرو۔'' اس نے آنکھیں دکھائیں۔ چہرہ دھوپ کی تمازت سے چمک رہا تھا۔

''کچھ چاہیے تھا بھائی؟'' زنیرہ کے پوچھنے پر وہ خیالات سے باہر آیا۔

''آں۔ ہاں سب باہر آجاؤ۔ گاڑی آگئی ہے۔'' نظریں مہرین کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ وہ خود میں سمٹ سی گئی۔ اسکے باہر نکلتے ہی ایکبار پھر خود کو آئینے میں دیکھا۔ سب پرفیکٹ تھا۔

''آئینہ دیکھنے کی کیا ضرورت۔ ہاشم کی نظروں میں اپنا آپ دکھائی نہیں دیا کیا۔'' مہرین کی بھابھی نے کہا۔ وہ چونک گئی۔

''چلیں کیا۔'' رانیہ کو دوسرے بازو میں پکڑتے ہوئے پوچھا۔ وہ خدیجہ کی پیروی میں باہر کی جانب چل دی۔ ناچاہتے ہوئے بھی بار بار ہاشم کی نظریں اسکے گرد گھوم جاتیں۔ شکیل نے سب کی تصاویر بنائیں۔ ہاشم کیساتھ تصویر بناتے مہرین کے چہرے پر انوکھے رنگ بکھر جاتے۔ محبت کے، چاہت کے، اپنائیت کے۔ آنکھوں میں محبت کی جوت جگائے وہ مجسمۂ محبت لگ رہی تھی۔

رات کو سب تھکے ہارے لوٹے تو چوہدری وجاہت نے چائے کی فرمائش کردی۔

''مہر بیٹی۔ ایک کپ چائے بنادو۔ ودیا جی ہووے۔''

وہ جی کہہ کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔

''سات کپ چائے بنادو۔'' موبائل میں نظریں جمائے وہ کچن میں داخل ہوا۔

''جی اچھا۔'' مہرین کی آواز سن کر نظریں موبائل سے ہٹائیں۔

''سوری مجھے لگا زنیرہ یا سنعیہ ہوں گی۔''

''اٹس اوکے۔ میں بتا دیتی ہوں۔'' عاصم کی موجودگی اسے بدمزہ کر گئی۔ وجہ کوئی بھی نہ تھی۔ اسے لگتا تھا عاصم اسکی فیملی سے دور رہتا ہے اور یہ سچ بھی تھا۔ جب سے وہ لوگ ملے تھے عاصم ایک بار بھی انکے گھر نہیں گیا تھا۔ بات چیت پکی ہو جانے کے بعد بھی اس نے مہرین سے کوئی بات نہ کی جبکہ ہاشم کا مزاج دوستانہ تھا۔ اسی دوستانہ مزاج اور خوش اخلاقی سے وہ اسکے دل میں گھر کر چکا تھا۔ چاہتے ہوئے بھی عاصم کو پسند نہ کر سکتی تھی۔ عاصم بھی کسی اور میں انٹرسٹڈ تھا۔ اس نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔ وہ بے حد حسین نہ سہی البتہ خوبصورت تھی۔ چونکہ وہ انوشے کو پسند کرتا تھا اسلیئے یہ معنی نہ رکھتا تھا مہرین خوبصورت ہے یا نہیں۔

''میں بیٹھک میں ہوں۔ آواز دے دینا۔ بلکہ میں خود لے جاؤنگا تھوڑی دیر تک آ کے۔''

وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا۔ مہرین سوچتی رہ گئی کہ منگیتر ہونے کے ناطے بے شک نظر بھر نہ دیکھتا مگر بندہ کزن ہونے کے ناطے تو بات چیت کر سکتا ہے۔

''ہنہ۔ مینوں کی۔ نئی ویکھدا تے نہ ویکھے۔'' دل میں کہا۔

ڈیڑھ بج گیا۔ نیند کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ کروٹ بدلتی رہی۔ ہاشم کا سراپا آنکھوں کے سامنے آ جاتا تو بے اختیار مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھر جاتی۔ عاصم کے حوالے سے دیکھتی تو دل مٹھی میں آ جاتا۔

''ہاشم کی محبت کی جڑیں تناور درخت بن چکی ہیں اس قدر گہرے پنجے گاڑ لئے ہیں اس درخت نے کہ میں چاہتے ہوئے بھی نہیں اکھاڑ سکتی۔ عاصم۔ آہ نہیں عاصم کے بارے میں رتی برابر نہیں سوچ سکتی۔'' وہ سوچ ہی تھی۔ اپنی محبت کا تعین کر رہی تھی۔ آج اسے عنایہ کی محبت کا اندازہ ہوا۔ کس قدر ٹوٹ کر چاہا تھا اس نے ہاشم کو۔ اتنی شدت، اتنی چاہت، اتنا عشق کہ

اپنی جان کی بازی لگادی۔

''کیا محبت بے خود کر دیتی ہے؟ ہپناٹائز کروا کہ کچھ بھی کروا سکتی ہے؟ کیا محبت کے سحر میں عنایہ نے جان کی بازی ہار دی؟ نہیں نہیں۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ محبت پاک ہوتی ہے۔ یہ ایک پاکیزہ جذبہ ہے۔ بے لوث، مقدس، معطر، منور، پرسرور۔ کسی کی کیسے جان لے سکتا ہے۔ ایمان کی کمزوری ایسا کرنے پر اکساتی ہے۔ شیطان وار کرتا ہے جسکی وجہ سے انسان کمزور لمحوں کی زد میں آ کر عشقِ مجازی کیلئے عشقِ حقیقی کی عطا کردہ زندگی سے کھیل جاتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ یہ جان تو اللہ کی امانت ہے پھر کسی کی خاطر کیوں؟'' وہ سوچ رہی تھی۔ بے چین ہو کر کروٹ بدلی۔

''اگر ہاشم نہ ملا اور تمہاری شادی عاصم سے ہوگئی تو۔'' خود سے سوال کیا۔

''مالا کی طرح ٹوٹ کر بکھر جاؤنگی۔ میری ذات یہاں وہاں جا بجا مالا کے دانوں کی طرح بکھری ہوگی۔ لیکن پورا یقین ہے کہ شوہر کی وفا، قربت، چاہت، اپنائیت سمیٹ لے گی۔ وقت کیساتھ ساتھ اسکی یاد دل کے کسی کونے میں مدفن ہو جائے گی، ماضی بن جائے گی۔ وقت بہر حال لگے گا مگر سمٹ جاؤنگی۔''

''کیسے سمٹو گی پاگل لڑکی کیسے۔ وہ پل پل تمہاری نظروں کے سامنے ہوگا۔ بتاؤ بھلا کیسے سمیٹو گی؟ جھلی ہو۔'' اندر کی آواز نے ڈپٹا۔

''عاصم سے شادی کرونگی تو سامنا ہوگا۔ میں عاصم سے شادی نہیں کرونگی۔ کبھی نہیں۔ میں ہاشم کو بتا دونگی کہ۔'' وہ خود ہی لجا گئی۔ ڈر گئی۔ اندر کی آواز خاموش ہو چکی تھی۔ جانے کب وہ بھی نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

دیر سے سونے کے باعث نماز فجر قضا ہو چکی تھی۔ ساڑھے چھ بجے اٹھی تو کوئی بھی نہ اٹھا ہوا تھا۔ چائے کی طلب ہوئی تو بال سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ چوہدری حفیظ صحن میں بیٹھے تھے۔ مہرین کو دیکھتے چائے کا مطالبہ کر دیا۔ دوبارہ کمرے میں گئی بیگ سے ڈائجسٹ نکالا اور چائے کا کپ لے کر چھت پر چلی گئی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہی سامنے چارپائی پر لیٹے ہاشم پر نظر پڑی۔ کریٹ کو الٹا کر کے اس پر بیٹھ گئی۔ ڈائجسٹ پر توجہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ ہاتھوں میں پسینہ آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی ہاشم آدھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ خیال جہاں خوش کن تھا وہیں ایک ڈر بھی تھا۔

''باقی سب اٹھ گئے؟'' ہاشم بیٹھ گیا۔ چائے کا سپ لیتے ہوئے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''مہر۔'' اسے مخاطب کیا۔ مہرین کا روم روم کانپ رہا تھا۔ یہ کپکپی ڈر کی وجہ سے نہیں تھی۔ عجیب کیفیت تھی جسے وہ خود سمجھنے سے قاصر تھی۔

''جی۔''

''ایک بات کرنی تھی۔ وقت مناسب ہے نہ جگہ مگر ضروری ہے تبھی سوچا کر لوں۔''

''کہیں۔''

''عاصم تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہے۔ پاپا تم سے شادی کیلئے دباؤ ڈال رہے ہیں۔''

''غلط کر رہے ہیں۔'' مہرین اتنا ہی کہہ سکی۔

''وہی تو۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ شادی زبردستی کی جائے کیونکہ تمہیں وہ پیار نہیں مل سکے گا جو ایک بیوی کو ملنا چاہیے۔ ہاں ممکن ہے کسی موڑ پر وہ اس لڑکی کو بھول اور دل سے اپنا لے مگر سفر طویل بھی ہو سکتا ہے۔''

''زبردستی کے رشتوں کی قائل تو میں بھی نہیں۔'' ہاشم شاید کچھ اور بھی کہتا۔ مہرین کے بولنے پر وہ اسکو دیکھتا رہا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

''میں نہیں چاہتا کہ دو بھائیوں میں پھر سے فاصلے آئیں، پھر سے ناراضگیوں کا ناگ پھر سے پھن پھیلائے۔ میں چاہتا ہوں یہ دوریاں اب نہ آئیں۔ بھائی ملتے رہیں۔''

''آپکی یہی باتیں، یہی سوچ، یہی انداز فکر مجھے اچھا لگا ہے ہاشم بھائی۔ آپ سب سے الگ ہیں سب سے جدا۔'' اسکے چہرے پر چاہت کے رنگ واضح تھے۔ اسکی سانولی رنگت دمک رہی تھی۔ ہاشم ہر رنگ سمجھتا تھا، ہر رنگ سے خوب واقف تھا۔

''او۔ اواللہ کی بندی! میری تعریفوں کیلئے پوری زندگی پڑی ہے۔ ابھی تو پاپا اور چاچو کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔'' ہاشم نے مزاح سے کہا۔

''دو بھائیوں میں صلح قائم رکھنے کی خاطر لازم ہے کہ عاصم کی خوشیوں کو قربان کر دیا جائے؟ مجھے زبردستی اس پر مسلط کر دیا جائے تاکہ میری زندگی بھی اجیرن ہو جائے؟'' مہرین نے کہا۔

''اسی لئے بات کرنی تھی۔''

مہرین نے ناسمجھی کے انداز میں دیکھا۔

''میں کیا کر سکتی ہوں؟'' چائے کا کپ زمین پر رکھا۔

''ہاں۔''

''کیا مطلب ہاں۔'' وہ الجھ گئی۔

''عاصم تم سے شادی نہیں کرے گا۔''

''نہ کرے مجھے کونسا شوق چڑھا ہے اس سے شادی کرنے کا۔'' کندھے اچکا کر کہا۔ ہاشم

کو عنایہ یاد آ گئی۔ اسکے مطلب کی بات نہ ہوتی یا جس بات سے اسکو فرق نہ پڑتا وہ بھی اسی طرح لاپرواہی سے کندھے اچکاتی تھی۔

''گل تے پوری سن لے۔ وِچ ای ٹوک دینی ایں (بات تو پوری سن لو۔ بیچ میں ہی کاٹ دیتی ہو)۔'' وہ چپ ہوگئی۔

''تسی وی تے بار بار کہہ رہے ہو کہ او شادی نئی کرے گا تیرے نال۔ اِنی وی گئی گزری نئی۔ ہنہ (آپ بھی تو بار بار کہہ رہے ہیں کہ وہ تم سے شادی نہیں کرے گا۔ اِتنی گئی گزری نہیں)۔''

''تے حقیقت دس ریا واں (تو حقیقت بتا رہا ہوں)۔ اس صورت میں چاچو اور پاپا میں پھر سے دوریاں آسکتی ہیں۔ پاپا نے بہت مان سے تمہارا ہاتھ مانگا تھا۔ ہاں غلطی کر گئے عاصم سے نہ پوچھا۔ مسئلہ گھمبیر ہو چکا ہے۔ عاصم راضی نہیں ہوگا خواہ کچھ بھی ہو۔''

''آپ کھل کر واضح بات کریں۔ بار بار یہ بتا کر کہ عاصم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا، کیا بتانا چاہتے ہیں؟'' مہرین تپ گئی لیکن لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھا۔ اسے اپنی تذلیل محسوس ہو رہی تھی۔

''میں پاپا سے کہونگا کہ چاچو کو دی گئی زبان پوری ہوگی۔ ضرور پوری ہوگی اور تم اسی گھر کی بہو بنو گی۔'' مہرین سمجھ کر شرما گئی۔ منہ دوسری طرف کر کے منڈیر کے پار دیکھنے لگی۔

''تمہیں کوئی اعتراض۔'' ہاشم نے تصدیق چاہی۔ حالانکہ ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ مہرین کے جذبوں سے واقف تھا۔ اسکی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ چکا تھا۔ اسکے چہرے پر بکھرے قوس وقزاح کے رنگوں سے نا آشنا نہیں تھا۔

وہ کچھ کہہ نہ کسی۔ شرما کر اثبات میں سر ہلایا اور نیچے چلی گئی۔

رات کو ولیمہ تھا۔آف وائٹ شرارہ پہنے وہ اچھی لگ رہی تھی۔ہاشم کی نظریں نا چاہتے ہوئے بھی اسکے گرد گھومتیں۔یہاں وہاں آتے جاتے وہ ایسی تتلی لگی جسے پکڑنے کی خواہش ایک ننھا بچہ کر رہا ہو۔ وہ خود کو ملامت کرتا تو کبھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر نگاہِ پسندیدگی ڈال لیتا۔

وقت گزرتا گیا۔مہرین نے وہاں نو دن گزارے۔ان نو دنوں میں ماسوائے ضروری بات کے ہاشم نے کوئی بات نہ کی۔وہ الجھن کا شکار تھی کہ گریز کیونکر۔ پہلے بات کرتا تھا،ہنسی مذاق کرتا تھا۔مہرین نے نوٹ کیا جب سے اسکی رضامندی لی اس دن کے بعد سے ہاشم کا رویہ بدل گیا ہے،اس کے اندازِ گفتگو میں تبدیلی آگئی ہے،اسکو مخاطب کرتے وقت نظریں چراتا ہے۔کہیں وہ شادی کا کہہ کر پچھتا تو نہیں رہا؟وہ اور مہرین دونوں جانتے ہیں چوہدری وجاہت ہاشم کے حوالے سے نہیں مانیں گے کیونکہ مہرین اور ہاشم کی عمر میں فرق کافی زیادہ تھا۔نیز مہرین ابھی سیکنڈ ایئر میں تھی۔اسی کشمکش میں وہ اپنے گھر آگئی۔عجیب سی بے سکونی، بے چینی اور الجھن کا شکار تھی۔

مجھے خوف ہے کہ
وہ نباہ کے کسی مرحلے پہ
آ کے یہ کہہ دے کہ اب نہیں
مرے دل کو تیری طلب نہیں!

"دل کر رہا ہے یہ پلیٹ اٹھا کر تمہارے سر پر دے ماروں۔میں کب سے بک بک کر رہی ہوں اور تم کھانے میں لگی ہو۔" مہرین کو تانیہ پر غصہ آیا۔

''کیا کروں یہ بتا دو۔ نہ کروں تو یہ پلیٹ کیا جو مرضی سر پر دے مارنا۔'' سموسے سے انصاف کرتے ہوئے مہرین کو ندیدی لگی۔

''یہی۔ یہی تو مسئلہ ہے۔ تم کیا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔'' صفائی والا کپڑا پٹختے ہوئے بولی۔

''یار ہاشم بھائی کا رویہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ پہلے ہر دوسرے دن فون کرتے تھے۔ میسج پر بھی تھوڑی بہت بات چیت ہو جاتی تھی۔ پر اب۔ مجھے آئے بھی ڈھائی ہفتے ہو گئے ہیں۔ میسجز کئے۔ ایک کا جواب آیا کہ گھر میں شادی کے حوالے سے بات چیت ہو رہی ہے۔''

''پریشان مت ہو۔ سب اچھا ہو گا۔''

''اچھا نہیں ہو گا۔ بالکل بھی اچھا نہیں ہو گا اگر عاصم دباؤ میں آ کر مان گیا تو؟ میں اس سے ہرگز شادی نہیں کرونگی۔ ہاشم سے جب جب سامنا ہو گا میرا دل۔ چہ۔ چھوڑو یار کیا سمجھاؤں۔''

''ایک بات بتاؤ۔ تمہارے تایا اور ابو کیوں نہیں مانیں گے؟ عاصم نہ سہی ہاشم سہی۔ پھر پنگا کیونکر۔'' تانیہ نے کہا۔

''ایج ڈفرینس۔ عاصم اور میری عمر میں 5 سال کا فرق ہے جبکہ ہاشم بھائی کی میری عمر میں 11 سال کا۔''

''اتنا زیادہ فرق نہیں کہ وہ انکار کر دیں۔ تمہارے امی ابو میں سولہ سال فرق ہے۔ میری اَمو اور ابا میں پورے انیس سال کا فرق۔ کوئی معنی رکھتا ہے انیس سال۔ تمہاری شادی عاصم سے ہو یا ہاشم سے بات تو ایک ہے۔ عمر کا فرق بہانہ ہو سکتا ہے وجہ نہیں۔'' تانیہ کی بات اسکے دل کو لگی۔

''تم اتنی کم عمر اور ناسمجھ ہو تو عاصم کیلئے بھی کوئی میچور لڑکی دیکھ لیں۔''

''لڑکی وہ پسند کر چکا ہے۔ رہی بات میری تو شادی میری پڑھائی مکمل ہونے کے بعد ہوگی۔ دو تین سال پڑے ہیں ابھی تو۔اس دوران ہاشم کی عمر کیا ہوگی تم اندازہ لگا سکتی ہو۔'' مہرین نے کہا۔

''ہاہاہا۔تین سال اور بڑا اور بوڑھا ہو جائے گا۔اور کیا۔'' تانیہ نے قہقہہ لگایا تو مہرین تپ گئی۔

''اب اتنا بڑا بھی نہیں۔28 سال کے ہیں۔'' چائے کے برتن سنک میں رکھتے ہوئے بولی۔

''آئی واز جوکنگ مہرین۔تم سیریس ہوگئی۔'' مہرین کا چہرہ صاف بتا رہا تھا اسے برا لگا ہے۔

''تانی !میرے نزدیک محبت صرف محبت ہے۔جسکا کوئی دین مذہب نہیں، کوئی دھرم نہیں۔یہ ذات پات، رنگ، نسل، امیری غریبی اور عمر جیسے فرق سے ماورا ہوتی ہے۔وفا، ایثار، خلوص، چاہت، اپنائیت سے بھری بے لوث!'' وہ دور خلا میں دیکھتے ہوئے بولی۔تانیہ کو لگا کسی رنگریز نے انتہائی مہارت کیساتھ اسکے چہرے پر محبت کے رنگ بکھیرے ہیں۔ہر رنگ اتنا واضح تھا کہ وہ کچھ کہہ ہی نہ پائی۔

''تم بات کو کہاں سے کہاں لے گئی۔میں اتنا جانتی ہوں جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ ہاشم تمہارے نصیب میں ہے تو تمہارا ہی ہوگا وگرنہ لاکھ کوشش کر لو نہیں ملے گا۔یہ سب قسمت کے کھیل ہیں، نصیب کی بات ہے۔'' تانیہ کو سمجھ نہ آئی کیا کہے۔شاید وہ اس دور سے گزری نہیں تھی۔اس راہ پڑی نہیں تھی اسلئے کچھ کہنے سے قاصر رہی۔

''دعا سے قسمت بدل جاتی ہے۔میں بدلونگی اپنی قسمت۔۔اپنے رب سے اسکا ساتھ مانگونگی۔'' مہرین نے پرامید ہو کر کہا۔

''تمہاری لگن سچی ہے، تمہارے جذبے خالص ہیں۔ وہ تمہارا ہی ہوگا۔ ان شاء اللہ۔''
دونوں نے ایکساتھ آمین کہا۔

''السلام علیکم! کیا حال احوال ہیں؟'' مہرین نے ایک بار پھر میسج کیا۔ دو گھنٹے گزر گئے۔
جواب ندارد!

میرے لفظوں کا سسکتا لہجہ
کیا تمہیں محسوس نہیں ہوتا!

میسج سینڈ کیا۔ مزید کچھ منٹس انتظار کیا پھر منہ بنا کر موبائل صوفے پر پٹخ دیا۔
''کس بات پر غصہ ہے؟'' پیاز کاٹتے ہوئے خدیجہ نے پوچھا۔
''غصہ تو نہیں۔'' مہرین کو احساس ہوا۔
''اچھا موبائل تو ایسے پھینکا جیسے کسی پر خفا ہو۔'' ٹٹولتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
''ایسی کوئی بات نہیں بھابھی۔ میں رکھ رہی تھی جانے کیسے پٹخا گیا۔'' اسکو سمجھ نہیں آرہی تھی کیا کہے۔ بھابھی جہاں دیدہ نہ سہی لیکن ناسمجھ بہرحال نہیں تھیں۔
''کافی ٹائم ہوگیا ہاشم ملنے نہیں آیا۔'' پتہ نہیں وہ پوچھ رہی تھیں یا بتا رہی تھیں۔
''ہمیں کیا۔ آتا ہے آئے ورنہ مرضی اسکی۔'' وہ لاپروائی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ لہجہ الفاظ کی چغلی کھا رہا تھا۔
''تایا ابو کا فون آیا تھا ابو کو۔'' خدیجہ کی بات سن کر حیرانگی سے دیکھا۔ وہ کیسے لاعلم رہی۔
''کہہ رہے تھے عاصم شادی کیلئے رضامند نہیں ہے۔ شرمندہ تھے۔ بار بار معافی مانگ رہے تھے۔'' انہوں نے خود ہی بات بڑھائی۔

''اچھا ہے منع کر دیا۔ایسے سڑیل مزاج سے کون شادی کرے۔ پتہ نہیں خود کو سمجھتا کیا ہے۔ ویسے بھی ایسے سڑیل، اکڑو اور بدمزاج سے شادی کا شوق مجھے بھی نہیں تھا۔ ابو کی خواہش تھی تبھی چپ رہی۔'' سیب اٹھا کر کھاتے ہوئے بولی۔

''ہاشم بھائی اس سے بہت مختلف ہیں نا۔ ہنس مکھ، زندہ دل، ملنے جلنے والے، جی دار۔'' مہرین نے کہا پھر خود ہی جھینپ گئی۔

''تمہیں ہاشم کیسا لگتا ہے؟'' بھابھی کے واضح پوچھنے پر وہ بوکھلا گئی۔

''اچھا ہے۔'' مختصر جواب۔

''اگر تایا ابو ہاشم کیلئے کہیں تو؟'' خدیجہ نے پوچھا۔

''کیا انہوں نے بات کی ہے؟'' فوراً پوچھا اور زبان دانتوں تلے دبالی۔

''سوال پر سوال نہیں پوچھا جاتا۔ جواب دیا جاتا ہے۔''

مہرین شرمندہ ہوگئی۔

''عاصم کی باری اعتراض نہیں تھا۔اب کیوں ہوگا؟''

''یعنی اسے پسند کرتی ہو۔''

''ناپسند کرنیوالی بات نہیں اس میں۔اتنی خوبیاں تو گنوا چکی ہوں۔''

''تم دونوں کی عمر میں کافی فرق ہے۔ وہ میچور ہے تم ناسمجھ امیچور۔ وہ پریکٹیکل بندہ ہے اور تم جذباتی لاابالی لڑکی۔''

''وقت کیساتھ ساتھ بندے میں میچورٹی آجاتی ہے بھابھی۔ میں بھی میچور ہو ہی جاؤنگی۔ ساری عمر امیچور یا لاابالی نہیں رہونگی۔'' اسے خدیجہ کی بات بری لگی تھی۔

''آپکی اور شکیل بھائی کی ایج میں 9 سال فرق ہے۔ ہاشم کی اور میری ایج میں 11 سال

کا۔صرف دو سال کا ہی فرق ہے۔'' وہ حاضر جواب تھی نہ بحث کرنیوالی۔ عاصم کی باری وہ دوٹوک میں بات ختم کر دیتی تھی۔ ہاشم کی باری دلائل، وضاحتیں، مثالیں سب حاضر تھا۔ خدیجہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

محبت انسان کو بدل دیتی ہے۔ یا یوں کہہ لیں محبت میں اتنی طاقت ہوتی کہ انسان خود کو بدلنے پر مجبور ہو جائے۔ اپنے آپکو محبوب کی پسند کے سانچے میں ڈھلنے کا حوصلہ وہی کر سکتا ہے جو شدت محبت کرتا ہو۔ ورنہ خود کو بدلنے کی سعی کوئی نہیں کرتا، کرنا ہی نہیں چاہتا۔

''آپ نے بتایا نہیں۔''

''کیا؟'' وہ چونکی۔

''یہی کہ تایا ابو نے کیا بات کی ہے؟''

''بات کیا کرنی ہے عاصم نے منع کر دیا ہے شادی کیلئے۔ انہوں نے ہاشم کیلئے تمہارا ہاتھ مانگا ہے۔ ابو نے کہا سوچ کر بتائیں گے۔'' سبزی اٹھا کر وہ کچن میں چلی گئی۔

مہرین کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ سب اتنا آسان ہوگا اس نے کہاں سوچا تھا۔ وہ سمجھی تھی تایا ابو کبھی نہیں مانیں گے مگر یہاں تو بازی پلٹ گئی۔ اسکا دل کہہ رہا تھا ابو انکار نہیں کریں گے۔ ایک نظر موبائل کی طرف دیکھا جو ساکت تھا جیسے قسم کھا رکھی ہو خاموش رہنے کی۔

''کیا پتہ اسی لئے میسج یا فون نہیں کرنے سے اجتناب کر رہا ہو۔ گھر بھی اسی لئے نہیں آ رہا۔ مگر بتا تو سکتا تھا۔'' خود کلامی جاری تھی۔

''پاگل لڑکی! نہ وہ لڑکی ہے کہ اجتناب کرے نہ وہ تم سے محبت کرتا ہے جو مطلع کرتا۔'' منفی سوچ نے بھڑکایا۔

''محبت بھی ہو جائے گی۔ میرے ساتھ رہ کر وہ عنایہ کو بھول جائیں گے۔ وہ ماضی کی

یاد بھولی بسری یاد ہے اور میں حال۔ وہ مجھے پسند کرتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھا ہے میں نے۔'' غلط سوچ کو لتاڑا۔

''مہرین۔ مہرین۔'' سوچوں میں اتنی محو تھی شکیل کی آواز نہ سن سکی۔

''جج۔ جی بھائی۔'' وہ بوکھلا گئی۔

''کیا بات ہے۔ کہاں گم ہو؟'' شکیل نے پوچھا تو پانی کا گلاس تھماتی خدیجہ نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔

''گم نہیں تھی بھائی۔ دھیان نہیں رہا آپ کے آنے کا۔''

''جب دھیان کہیں اور ہوگا تو ایسا ہی ہوگا۔'' خدیجہ نے طنز کیا۔ ان کا رویہ مہرین سمجھ نہ پا رہی تھی کہ وہ کیوں بدل گئی تھیں۔

''کیدا دھیان کتھے وا (کس کا دھیان کدھر ہے)۔'' چوہدری حفیظ نے کچن کی دیوار کیساتھ لگے تخت پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''السلام علیکم!! یونہی باتیں کر رہے تھے ابو۔ آپ بیٹھیں میں چائے لائی۔'' مہرین چائے بنانے چلی گئی۔

''اپنی ماں کو باہر بھیجو۔'' جی اچھا کہہ کر وہ چلی گئی۔

''دونوں کا کیا خیال ہے اس بارے میں۔ کیا سوچا؟'' چوہدری حفیظ نے دونوں کو مخاطب کیا تو خدیجہ کچن میں جاتے جاتے رک گئی۔ وہ جلد از جلد مہرین کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔

''مجھے اعتراض نہیں۔ ہاشم دیکھا بھالا لڑکا ہے۔ ملنے جلنے والا۔ عاصم سے نہ زیادہ بات چیت ہوئی آج تک نہ واسطہ پڑا۔ یوں کہہ لیں اسکو واسطہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔'' شکیل نے

صاف گوئی سے کہا۔ اتنے میں مسز حفیظ بھی آ گئیں۔

''تسی عمر دا فرق پل جاندے او (آپ عمر کا فرق بھول جاتے ہیں)۔'' خدیجہ نے شکیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں تیرے توں کنا وڈا واں؟ فیر وی نبھ رئی اے۔ بلاوجہ کی باتوں کو بنیاد نہ بنا خدیجہ (میں تم سے کتنا بڑا ہوں۔ پھر بھی نبھ رہی ہے)۔''

''شکیل ٹھیک کیندا اے۔ ویاہ تو بعد کڑی نوں شعور آ جاندا وے۔ مہرین عقلمند اے، اچھا برا سمجھدی اے۔ سنبھال لے گی سب (شکیل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ شادی کے بعد لڑکی کو شعور آ جاتا ہے۔ مہرین عقلمند ہے، سمجھدار ہے، اچھا برا سمجھتی ہے۔ ہینڈل کر لے گی سب)۔'' مسز حفیظ نے کہا۔ باقی لوگوں کے لہجے میں پنجابی ٹچ نمایاں تھا۔ اردو بھی بولتے تو پنجابی جھلکتی تھی۔ مسز حفیظ کو سرے سے اردو بولنی ہی نہ آتی تھی۔ وہ پنجابی میں ہی بات کرتیں۔

''تیمور کیلئے امی ابو۔'' شکیل نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

''خدیجہ خدیجہ تو سمجھدی کیوں نئی یار۔ وٹہ سٹہ زندگیاں تباہ کر دیتا ہے۔ ایک نہیں دو گھر اجاڑتا ہے۔ تھوڑی سی اونچ نیچ ہوئی نہیں ہو گیا کام خراب۔''

''تیمور۔ ہاں اچھا لڑکا ہے۔ مگر شکیل کی بات سے اِنکار نہیں کر سکتا دھی رانی۔ وٹے سٹے کی شادی میں رسک رہتا ہے۔ ایک طرف ان بن ہو دو گھر لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔'' انہوں نے رسان سے خدیجہ کو سمجھایا تاکہ وہ خفا نہ ہو۔

''اس کی کوئی جاب نہیں ہے۔ وہ اس بارے سنجیدہ بھی نہیں ہو رہا۔ اپنے پیروں میں کھڑا ہونے کیلئے اسے وقت چاہیے۔'' شکیل نے کہا تو خدیجہ نے کچھ کہنے کیلئے لب کھولے۔

''جبکہ مجھے مہرین کو جلد بیاہنا ہے۔'' چوہدری حفیظ نے کہا۔

''ابو جی اس نے جاب کیلئے اپلائی کیا ہے۔ امید ہے جلدی نوکری لگ جائے گی۔ مہرین اور تیمور کا ہان (جوڑ) بھی ہے۔ دونوں کی جوڑی اچھی لگے گی۔ تسی اک واری سوچو تے صئی ایس بارے تے۔'' اس نے اپنے طور مکمل کوشش کی۔

''مہرین۔ کہاں رہ گئی؟ چائے پکا رہی ہو یا پائے۔'' چوہدری حفیظ کی آواز سن کر دروازے سے ہٹی اور چائے کو ابالا دیکر کپ میں ڈالا۔

''یہ لیں چائے۔''

''اک کپ سی چادا۔ اینی دیر لگا دتی۔'' کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

''سلیب صاف کر رئی سی ابو جی۔'' صفائی دی۔

''بیٹھ ایتھے۔ گل کرنی اے۔'' اسکا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھایا۔ خدیجہ جانتی تھی وہ کیا بات کرنا چاہتے تھے۔ اتنا آزاد ماحول تو نہیں گھر کا پھر آج ابو جی کیوں مہرین سے پوچھ رہے ہیں۔ وہ سوچ سکی زبان پر نہ لا سکی۔ وہاں سے اٹھ کر کچن میں سالن بنانے چلی گئی۔ وہاں بیٹھنا بیکار تھا۔ جب مہرین ہاشم کو پسند کرتی ہے رضامند ہے تو وہ کون ہوتی ہے اعتراض کرنیوالی۔

''مہرین تم اپنی بھابھی کا ہاتھ بٹا دو جا کر۔'' شکیل نے کہا۔

''ابو کی بات۔''

''کھانے کے دوران ہو جائے گی بات۔ جاؤ تم۔'' اس نے بات کاٹ دی۔

''کمال اے ابو جی۔ اس دی کوئی عمر اے جو تسی اودی رضامندی لے رے او (اسکی کوئی عمر ہے جو آپ اسکی رضامندی لے رہے ہیں)۔ ابھی وہ پڑھ رہی ہے۔ ذہن منتشر ہو جائے گا۔''

''جھلیا۔ عاصم کو لے کر اسکا ذہن منتشر ہوا؟ نہیں نہ۔ پھر اب کیوں؟ اچھا ہے پوچھ لوں کہ وہ کیا کہتی ہے اس بارے میں۔''

''بات تو ٹھیک ہے۔ چلیں۔ مرضی تمہاڈی۔ رات نو گل کر لینا۔'' شکیل نے کہا اور واش روم چلا گیا۔

چوہدری حفیظ چاہتے تھے کہ جلد از جلد بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ دل کے مریض تھے۔ جب سے دوسرا ہارٹ اٹیک آیا تھا وہ زیادہ فکر مند رہنے لگ گئے تھے۔ عاصم کے انکار کا سن کر کتنے دن پریشان رہے۔ بھوک پیاس مر گئی۔ پھر ایک دن فون آیا کہ ہاشم کیلئے مہرین کا رشتہ دے دیں تو انہوں نے سوچنے کا وقت مانگا تاکہ بچی کی مرضی بھی جان لیں۔ انکی اپنی فیکٹری تھی لیکن جب سے کاروبار تباہ ہوا انکا زوال شروع ہو گیا۔ مہرین اس وقت مشکل سے سات ماہ کی ہو گی۔ قسمت انکو بنگلے سے ایک چھوٹے گھر پر لے آئی۔ چوہدری وجاہت سے ان زمینوں کا پوچھا جو والدین نے دونوں کے نام کی تھیں تو انکے بقول وہ زمین انکی ہے۔ اس بات پر کافی تکرار ہوئی۔ بات جھگڑے تک پہنچ گئی اور دیوارِ جدائی نے راہ بنا لی۔ پچھلے سترہ سال سے وہ ایک کمپنی میں معمولی سے عہدے پر فائز تھے۔ تنخواہ اتنی تھی کہ گزر بسر ہو جائے۔

ڈھائی سال پہلے والد کی وفات پر دونوں بھائیوں میں صلح ہو گئی۔ خون کب تک ایک دوسرے سے الگ رہ سکتا ہے۔ جوش تو مارتا ہے۔ یوں بھی دونوں عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ اس تعلق کو مضبوط کرنے کیلئے چوہدری وجاہت نے مہرین کا ہاتھ عاصم کیلئے مانگ لیا۔ عاصم کے انکار پر انہوں نے ہاشم کو پوچھا تو اس نے جیسا آپ کہیں کہہ کر ان کا مان بڑھا دیا۔ چوہدری حفیظ چاہتے تھے مہرین کی رائے جان لیں کہیں اسکو اعتراض تو نہیں۔

رات کھانے کے بعد وہ کتنی دیر چوہدری حفیظ کے پاس بیٹھی رہی شاید بات کریں۔ مگر

چائے پی کر وہ سو گئے۔ موبائل لیا اور اپنی چارپائی پر آ کر لیٹ گئی۔ موبائل گھماتے گھماتے کافی دیر ہو گئی۔ ٹائم دیکھا تو ساڑھے نو ہو رہے تھے۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میسج کیا۔

آئے تو یوں جیسے ہمیشہ تھے مہربان
بھولے تو یوں گویا کبھی آشنا نہ تھے!

''مہربان ہوں سچ ہے۔ بھول گیا غلط بات۔'' غیر متوقع طور پر جواب آ گیا۔

''مہینہ ہو گیا بات کئے۔ میسج کا جواب نہیں، کال نہیں کی، گھر نہیں آئے۔'' مہرین نے شکوہ کیا۔

''مصروف تھا۔ پاپا کی طبیعت بھی کچھ ناساز تھی۔''

''ابو نے بتایا تھا۔ اب کیسے ہیں؟''

''اے ون! الحمدللہ!''

مہرین کو سمجھ نہ آیا کیا کہے، کیا پوچھے۔ وہ چاہتی تھی ہاشم خود سے کوئی بات کرے۔ مگر کوئی میسج نہ آیا۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ وہ کروٹ بدلتی رہی۔ بے چینی و بے سکونی نے پورے وجود کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ دو بار اٹھ کر پانی پی چکی تھی۔

''نی کی گل اے۔ پمبیری دی طرح پھر ری ایں۔ تینو نیند رنئی آندی؟ (کیا بات ہے پمبیری کی طرح پھر رہی ہو۔ تمہیں نیند نہیں آ رہی)۔'' ماں کے کہنے پر چپ چاپ لیٹ گئی۔ کروٹ دوسری طرف لے لی۔ موبائل سائیلنٹ پر لگایا ہوا تھا۔ اس لئے نظریں فون پر جمی ہوئی تھیں کہ شاید میسج آ جائے۔ رات کی طرح گھپ اندھیرا، سناٹا، گہری خاموشی، ویرانی۔

''کیا ہاشم کے دل میں میرے لئے رتی بھر کوئی جذبہ نہیں؟ وہ چاہتے ہیں دونوں بھائیوں میں جدائی نہ آئے کہیں اس وجہ سے تو مجھ سے شادی کیلئے حامی نہیں بھری؟ یہ تو احسان ہوا مجھ پر؟ میں انکے میسج کے انتظار میں رات بھر جاگتی ہوں کہ کسی بھی وقت جواب آ جائے، فون آئے

تو سب کام چھوڑ دیتی ہوں خواہ کچھ بھی ہو، گھر آئیں تو سامنے سے ہٹنے کو دل نہیں کرتا۔ پر وہاں تو ایسا کچھ نظر نہیں آتا۔ کیا انہیں تایا ابو کو دی گئی زبان پوری کرنے سے غرض ہے؟ کیا میرا وجود انکے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا؟ میری انکی زندگی میں کیا وقعت ہے؟'' ایسے کئی ''کیوں'' اسکے گرد گھیرا ڈالے رقص کر رہے تھے۔ منتشر سوچیں، بے سکون روح، بے قرار دل۔ کانوں میں ہینڈ فری لگا کر ایف ایم سننے لگی تا کہ دھیان بٹ جائے۔ اسکی سوچوں سے فرار کی ناکام کوشش۔

ہن نئی جینا تیرے بن اوسجناں
رل رل اکھیاں میری تھکیاں
تینوں کنا پیار نئی دسدا جانے جاناں
ہن نئی جینا تیرے بن اوسجناں

انڈین پنجابی گانے کے بول اسے دل کے قریب لگے۔ عجیب سی کیفیت تھی۔ ایف ایم بند کیا اور ہینڈ فری نکال کر موبائل سائیڈ پر رکھ دیا۔ اسے عنایہ کا خیال آیا جس نے عشق میں جان کی بازی لگا دی پر کسی اور کی ہونا گوارا نہ کیا۔

''کیا ہاشم مجھے چاہ سکیں گے؟ عنایہ کو بھلا سکیں گے؟'' خود سے سوال کیا۔

''پاگل لڑکی! محبت کھیل ہے قسمت کا۔ نام زلیخا رکھنے سے کبھی یوسف نہیں ملتا۔ محبت ایک وقت میں ایک شخص سے ہوتی ہے۔ جسکا انتخاب تم نے کیا ہے وہ محبت کر چکا ہے۔ تم سے محبت کرنے کیلئے وقت چاہیے ہوگا۔ کتنا یہ تو وہ بھی نہیں جانتا ہوگا۔ شاید ہی کوئی مرہم ان زخموں کو مندمل کر سکے۔ بھلایا تو بہر حال نہیں جا سکتا۔'' اندر سے آواز آئی۔

''دوسری محبت تو کر سکتا ہے؟'' سوال کیا۔ جواب نہ آیا۔ اسکا اندر بھی موبائل کی طرح

خاموش ہو چکا تھا۔ مزید کہنا سننا بیکار تھا۔

محبت تنہا نہیں ہوتی

محبت جدا نہیں ہوتی

محبت انا نہیں ہوتی

محبت ہجر میں بھی وصل کا رمز رکھتی ہے

محبت ہجر و وصل سے ماورا انوکھا قصہ ہے

عقل و وجداں کی سبھی حدوں سے بیگانہ

محبت پاگل سی ہوتی ہے

محبت پر کیف ہوتی ہے

محبت اذیت نہیں ہوتی

محبت آنسوؤں میں دلکش سا مسکراتی ہے

محبت رمز ہے ایسا جس کی حکایت نہیں ہوتی

محبت معاملہ ہے وہ جس میں شکایت نہیں ہوتی

محبت میں اطاعت بلاشبہ واجب تو ہوتی ہے

لیکن محبت ملائکہ سے پرے کا قصہ ہے

یہ ذکرِ خفی سی ہے

کبھی ساکت بے بسی سی ہے

محبت سکون ہے جاناں

ہر سوال کا جواب ہوتی ہے

محبت گداز ہوتی ہے
محبت دلوں کو نرم کرتی ہے
جہاں دل اکڑ جائے
وہاں محبت نہیں ہوتی!

جیسے ہی غزل بھیجی تھوڑی دیر بعد جواب آ گیا جسے پڑھ کر مہرین بدمزہ ہوگئی۔

''تعلیم مکمل ہوئی نہیں چلی عشق کرنے۔'' مہرین کو میسج طنزیہ لگا۔

''عشق کیلئے عمر اور تعلیم کی کوئی قید نہیں۔ یہ ایج اور ڈگری کی محتاج نہیں۔ محبت تو رسم و رواجوں، مسلک، ذات برادری، رنگ نسل اور عمر کی قید سے ماورا ہوتی ہے۔ محبت صرف محبت ہوتی ہے۔''

''پڑھائی مکمل کرلو۔ پھر محبت بھی کرلینا۔'' جواب آیا۔

''محبت تو کر چکی ہوں بلکہ پی ایچ ڈی کرلی ہے اس میں۔ رہی بات پڑھائی کی۔ وہ بھی پوری ہو ہی جائے گی۔'' بے خودی میں میسج سینڈ تو کر دیا بعد میں پچھتائی۔ کافی ٹائم گزر گیا کوئی رسپانس نہ آیا۔ آدھی سوئی آدھی جاگی فون تکتے تکتے سو گئی۔ صبح اٹھی تو لگاتار تین میسجز آئے ہوئے تھے۔ جلدی سے بالوں کو کیچر لگایا اور میسج پڑھنے لگی۔

''او میڈم پی ایچ ڈی۔ یہ باتیں کتابوں میں اچھی لگتی ہیں۔ ذات برادری پہچان ہے گلی کی نکڑ میں کھڑا آوارہ کتا نہیں جسے ششکار دو۔'' مہرین کو ٹک سے بات لگی۔ منہ بنا کر دوسرا میسج کھولا۔

''اتنی محبت کرو جتنی ایک نارمل انسان کرتا ہے۔ بیوقوف لڑکی ہو تم۔ نارمل انسان محبت کہاں کرتے ہیں؟ نارمل انسان تو میسج کرتا ہے۔ میسج سینڈ۔ محبت شروع۔ میسج ڈیلیٹ۔ محبت

ختم۔'' یہ میسج ایک بار اسکی دوست نے بھی بھیجا تھا۔اس نے پڑھا سمجھ نہ آیا ڈیلیٹ کر دیا۔ہاشم نے بھیجا۔پھر سے پڑھا، سمجھا۔مزید الجھ گئی۔

''یہ کوئی کھیل نہیں جسے ٹائم پاس کیلئے کھیلا جائے کہ اچھا وقت گزر گیا بھول جاؤ۔'' میسج بھیجا۔

تیسرا میسج کھولنے کیلئے لمبا سانس لیا۔پھر موبائل سائیڈ پر رکھ دیا۔جانتی تھی وہ بھی سر سے گزر جائے گا۔دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اوپن کیا۔

''تم محبت کی اے بی سی نہیں جانتی۔عشق کے ع، ش اور ق کا مطلب نہیں معلوم ہوگا تمہیں بات کرتی ہو پی ایچ ڈی کرنے کی۔بہتر ہے پڑھائی پر توجہ دو۔''

مہرین کا موڈ حد درجہ خراب ہو چکا تھا۔اتنی طنزیہ باتوں کی وہ توقع ہرگز نہ کر رہی تھی۔اس میسج کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔چپل پہن کر ہاتھ منہ دھونے چل دی۔

وہ میری اس قدر محبت پر
چونکتا بھی نہیں، حیرت ہے!

''میں نے فون کرنا سی پائن (میں نے فون کرنا تھا بھائی)۔مصروفیت ایسی اے کہ نہ پچھو۔صبح دا گیا شامی آؤندا وا (صبح کا گیا شام کو آتا ہوں)۔'' چوہدری حفیظ نے کہا۔

''کوئی گل نئی۔ہور سب خیریت اے (کوئی بات نہیں۔اور سب خیریت ہے)۔'' چوہدری وجاہت نے پوچھا۔

''سوہنے رب دا کرم پائن۔'' بڑے بھائی سے ہمیشہ مؤدبانہ بات کرتے تھے۔

''صحیح صحیح۔کی گل اے۔کوئی فون نہیں آیا۔ہاشم کے بارے میں پوچھا تھا۔کی انکار

سمجھاں؟'' بچوں سے اردو میں بات کرکر کے دونوں بھائیوں کی زبانیں اردو پنجابی مکس ہو چکی تھیں۔ لہجے میں پنجابی ٹچ نمایاں تھا۔

''نہیں نہیں پائن۔ ایسی کوئی گل نئی۔ مہرین تہاڈی دھی اے۔ جدو مرضی آ کے لے جاؤ۔ پر۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئے۔

''پر؟''

''ایک واری سب کولوں پوچھ لینا (ایک بار سب سے پوچھ لینا)۔ اے نہ ہووے کہ ہاشم نوں یا گھر وچ کسی نوں اعتراض ہوئے۔ عاصم دی واری غلطی کر چکے او تسی (یہ نہ ہو کہ ہاشم کو یا گھر میں کسی کو اعتراض ہو۔ عاصم کی باری غلطی کر چکے ہیں آپ)۔'' چوہدری حفیظ خدشہ زبان پر لے آئے۔

''او نئی نئی۔ تو فکر نہ کر۔ سب راضی نے (تم فکر نہ کرو۔ سب راضی ہیں)۔'' انہوں نے تسلی کروائی۔

''ٹھیک ہے پائن۔ تسی آ کہ شگن پا جاؤ تا کہ سب نوں پتہ چل جائے (آپ آ کر شگن ڈال جائیں تا کہ سب کو معلوم ہو جائے)۔''

''چلو میں ذرا گھر بات کرلوں اس بابت۔ فیر بتاتا ہوں کی کرنا اے۔'' چوہدری وجاہت نے کہا اور اختتامی کلمات کے بعد فون رکھ دیا۔

✿.....✿.....✿

جانے کیوں اک خیال سا آیا
ہم نہ ہونگے تو کیا کمی ہو گی؟

دل کے ہاتھوں مجبور میسج کیا۔ جانتی تھی جواب خلافِ توقع تپا دینے والا ہوگا، شرمندہ کر

دینے والا۔

میں نے سب تیر کھا کر دیکھے ہیں
سب سے زہریلی کمان اپنوں کی ہوتی ہے

ہاشم کا میسج دیکھ کر وہ اندر تک بدمزہ ہوگئی۔ یہ اسکے سوال کا جواب نہیں تھا۔ وہ کچھ اور جاننا چاہتی تھی۔ کچھ ایسا جو اسکے اندر تک سکون بھر دے۔ مگر آہ! اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ سمجھ ہی نہ آئی کیا جواب دے۔ کیا بات کرے۔

''عنایہ کے بعد اب کسی کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔'' تھوڑی دیر بعد اسکا میسج آیا۔ مہرین کا دل بھر گیا۔ چھ سال گزر گئے۔ مگر عنایہ! عنایہ زندہ تھی اسکی یادوں میں، اسکی باتوں میں، اسکی سوچوں میں، اسکے خیالوں میں، اسکے حواسوں پر عنایہ سوار تھی۔ وہ اسکی زندگی میں کہیں نہیں تھی کہیں بھی نہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے محبت نہیں مرتی، محبت کرنیوالا مر جاتا ہے۔ زوال انسان پر آتا ہے محبت پر نہیں۔

''تھوڑی سی بھی نہیں؟'' بے بسی۔ عاجزی۔ التجا! محبت انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔ سارا غرور، اکڑ، خودسری پل میں ہوا ہو جاتی ہے۔

''رتی بھر نہیں۔'' فوراً ریپلائی آیا۔ مہرین موبائل ہاتھ میں تھامے زمین کو گھور رہی تھی جیسے ہاشم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شکوہ کناں ہو۔ مزید کچھ کہنا بیکار تھا۔ محبت میں عزت شرط ہے۔ یہاں نہ محبت تھی نہ عزت۔ بات کرنے کا فائدہ نہ تھا۔۔ اس نے موبائل سائیڈ پر رکھ دیا۔

''کی گل اے۔ تیرا بوتھا کیوں بنیاوا (کیا بات ہے؟ تمہارا منہ کیوں بنا ہوا ہے؟)۔'' مسز حفیظ نے چائے کا پیالہ لیتے ہوئے مہرین سے پوچھا۔

''سر میں درد ہے۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ اسے بھابھی کی نگاہیں خود پر صاف محسوس ہو رہی

تھیں۔ چائے کا کپ لے کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

''امی تایا وجاہت دا فون آیا سی۔'' مہرین جی جان سے ہمہ تن گوش ہو گئی۔

''کی کیندا وا اے (کیا کہتا ہے)۔'' چائے کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

''ابو نے ہاں کر دی اور کہہ دیا ہے کہ شگن ڈال جائیں۔ وقت مانگا ہے انہوں نے۔''

نگاہیں مہرین کی طرف تھیں۔ وہ جانتی تھی بھابھی اسی کو سنا رہی ہے۔ اسے سمجھ نہ آئی کیا ہو رہا ہے۔ ہاشم جب اسکو پسند نہیں کرتا تو شادی چہ معنی دارد! وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ گئی۔

مہرین کے اندر سناٹا تھا، گہری جامد خاموشی۔ اسکو خوش ہونا چاہیے تھا مگر وہ اداس تھی، غمزدہ تھی، بے چین تھی، بے سکون تھی۔ وہ جانتی تھی ہاشم اپنے والد کے کہنے پر شادی کر رہا ہے وگرنہ عنایہ کے علاوہ اسکے دل کی مسند پر وہ تو کیا کوئی بھی براجمان نہ ہو سکتی تھی۔

'' پہلی محبت بھلانا آسان نہیں۔ تم کس بات پر اتنا افسردہ ہو رہی ہو؟ میرا مطلب تمہارے تایا رضامند ہیں، وہ راضی ہے تو وائس دا پرابلم؟'' ہاشم کے میسجز پڑھ کر موبائل مہرین کو پکڑا دیا۔

''پرابلم ہے صنوبر باجی۔ مجھے لگتا ہے وہ میری عزت نہیں کرتے۔ انکو میری ذرا بھی پرواہ نہیں۔ کبھی کبھی لگتا ہے مجھ سے شادی نہیں کر رہے مجھ پر احسان کر رہے ہیں۔'' مہرین نے شکستگی سے کہا۔

''مہرین مہرین۔ تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔ عنایہ زندہ ہوتی تو بات بھی تھی تمہارا ان سیکیور ہونا بنتا تھا۔ پر وہ اس دنیا سے پردہ کر چکی ہے پھر کس بات کی پریشانی۔ شادی ہو گی تو آہستہ آہستہ انکا دل تمہاری طرف ہو جائے گا۔ تم دیکھنا سارے خدشات دور ہو جائیں گے۔''

صنوبر نے تسلی دی۔

''آپکو اسکے میسجز سے اہانت، طنز کچھ محسوس نہیں ہوا؟'' مہرین نے سوال کیا۔

''محسوس کرو تو ہاں۔ نہ کرو تو کچھ بھی نہیں۔'' صنوبر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا جیسے اسکے نزدیک یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔

''مہر! تم ایسے شخص سے کیا توقع رکھتی ہو جس نے اپنی چاہت کھودی ہو؟ جسکی محبت میں کوئی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو؟ وہ ماضی سے نکل کر بھی ماضی میں رہنا چاہتے ہیں کیونکہ وہاں عنایہ ہے۔ حال میں رہیں تو عنایہ کی یادیں۔ ساری زندگی یہ پشیمانی تو رہے گی کہ اسکی وجہ سے عنایہ جان سے گئی۔ ہاں ممکن ہے شادی کے بعد تمہارا ساتھ پا کر رفتہ رفتہ وہ ماضی کے خول سے نکل آئیں۔ انکا رویہ نارمل ہو جائے۔ اگر سچی محبت کرتی ہو تو فی الوقت انکا ایسا رویہ بھی تمہیں برداشت کرنا ہوگا۔''

''کب تک؟'' صنوبر کی بات اسکی سمجھ میں آگئی تھی۔

''جب تک تمہاری محبت کا آکٹوپس ہاشم کے دل کو مضبوطی سے جکڑ نہ لے۔ انکو بے تحاشا محبت دینا۔ بے خود چاہنا مگر چاہے جانے کی طلب کرنا نہ محبت کی بھیک مانگنا کیونکہ جو محبت خیرات میں دی جاتی ہے وہ پائیدار و مستحکم نہیں ہوتی۔'' مہرین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''صنوبر باجی۔ تایا ابو کا فون آیا تھا۔ وہ رشتے کیلئے راضی ہیں۔ ابو نے کہا ہے آکر شگن ڈال جائیں تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ میری نسبت طے ہو چکی ہے۔''

''پھر سے بتانے کا مقصد؟'' صنوبر نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاشم نے ایک بار بھی بات نہیں کی۔ نہ میسج نہ کال۔ آخری میسج چار دن پہلے کا ہے۔ کئی بار سوچا میسج کروں مگر دل نہیں مانا۔ کیا فائدہ باتیں سنائیں گے۔''

''تو کس نے کہا ہے کرو میسج۔ کوئی ضرورت نہیں میسج کرنے کی۔ بات چیت چل رہی ہے ان شاءاللہ شادی ہو جائے گی۔''

''انشاءاللہ۔'' مہرین نے دل سے کہا۔

''خود سے کوئی بات، کوئی میسج مت کرنا عزتِ نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ایک بات یاد رکھنا عزت کے بغیر محبت بیکار ہے۔ اگر بار بار عزت و محبت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو تم عزت کو ترجیح دینا محبت خود بخود اس ترجیح میں شامل ہو جائے گی۔ پر محبت کا انتخاب کر کے ساری عمر عزت کیلئے دستِ سوال رہو گی، شکوہ کناں رہو گی، تہی داماں رہو گی۔'' صنوبر نے رسان سے سمجھایا۔

''میں نے کہیں پڑھا تھا کہ محبت ضد، انا، تکبر، فخر سب خاک میں ملا دیتی ہے بلکہ نہیں انہیں خاک میں ملانا پڑتا ہے تاکہ محبت کا پودا زندہ و قائم رہ سکے۔ محبوب کی مرضی اور پسند کے آگے سب ہیچ لگتا ہے۔ دل اسکی ہر بات پر لبیک کہتا ہے۔ وہ روٹھ جائے تو منانے کیلئے انا کو مارنا پڑتا ہے۔ اسکے آگے ہر ضد ہار جاتی ہے، تکبر و فخر دم توڑ جاتا ہے۔ انا اور ضد محبت میں حائل ہو جائے تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ سب ختم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات رشتوں کو زندہ رکھنے کیلئے انا کو مارنا پڑتا ہے صنوبر باجی۔ اور آپ۔ آپ جو کچھ کہہ رہی ہو وہ برعکس ہے۔ کیا اس انسان کی ناراضگی مول لی جا سکتی ہے جسے آپ خود سے بھی زیادہ چاہیں؟ انا کی پگڑی کو اونچا رکھنے کیلئے خاموشی بہتر ہے یا صلح؟'' مہرین الجھ گئی۔ کچی عمر کی پکی محبت یونہی الجھائے رکھتی ہے۔

''یہی تو سمجھا رہی ہوں مہر۔ یہی سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ اعتدال ضروری ہے ہر رشتے میں، ہر تعلق میں۔ بس ہمیں بیلنس کرنا آنا چاہیے۔ مناؤ، ناز اٹھاؤ مگر انا کو زندہ رکھ کر۔ انا کی

چادر کو گرائے بغیر۔ مانتی ہوں بعض اوقات رشتوں کو زندہ رکھنے کیلئے انا کو مارنا پڑتا ہے مگر ایک بار کسی کی خاطر انا کو مار دیا جائے تو اسے بار بار کسی نہ کسی بہانے مارنا پڑتا ہے۔ کبھی انجانے میں تو کبھی جان بوجھ کر۔ کبھی چاہتے ہوئے اور کبھی نا چاہتے ہوئے۔'' کچھ باتیں مہرین سمجھ گئیں۔ کچھ میں الجھ گئی۔ پھر بھی اثبات میں سر ہلا دیا کہ وہ سب سمجھ چکی ہے۔

''اچھا سب چھوڑو۔ یہ بتاؤ میں خود سے میسج نہ کروں نا؟'' مہرین نے کنفرمیشن چاہی۔

''ہرگز نہیں۔ بالکل نہیں۔ قطعاً نہیں۔ تمہارے لئے عزت پہلے ہے ہاشم کی محبت بعد میں۔ تھوڑا سا صبر کرلو۔ شادی کے بعد دیکھنا وہ بدل جائے گا۔ اسکا دل تمہاری طرف پھر جائے گا۔ ممکن ہے کچھ وقت لگے تب تک حوصلہ رکھنا اور صبر سے کام لیتے ہوئے چلنا۔''

''میں ان کا دل اپنی محبت سے بھر دونگی۔ اتنی چاہت، اتنا پیار اور توجہ دونگی کہ وہ ماضی کے در کو بند کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''اللہ تمہارے لئے اچھا کریں۔ آمین۔'' صنوبر نے دل سے دعا دی۔ مہرین نے صدق دل سے آمین کہا۔

صنوبر مہرین کی دوست ضرور تھی لیکن اس سے عمر میں گیارہ سال بڑی تھی۔ انتیس سال کی صنوبر شادی شدہ تھی۔ وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جس نے محبت کو پانے کیلئے عزت کا سودا کیا۔ یاور سے اس نے کورٹ میرج کی تھی والدین کی مرضی کیخلاف۔ کورٹ میرج کا مشورہ صنوبر کا تھا جو ایک پل اسکے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ یاور راضی نہ تھا مگر صنوبر نے گڑگڑا کر محبت کی بھیک مانگی، واسطے دیئے، مرنے کی دھمکی دی۔ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یاور نے صنوبر کی بات مان لی اور دونوں نے کورٹ میرج کر لی۔ تب صنوبر اکیس سال کی تھی۔ شروع شروع میں سب آل اِز ویل رہا۔ پھر محبت کی جگہ طعنوں، تشنوں، بحث تکرار نے

لے لی۔صنوبر کی ہر بات اسکو بری لگتی۔ایک ایسا وقت آیا کہ صنوبر اسکی محبت بھری نگاہوں کو ترس گئی لیکن اس نے اپنی انا کو زندہ کیا اور عہد کیا کبھی محبت کیلئے کاسہ نہیں پھیلائے گی۔ اسکی زندگی ہونہی گزر رہی تھی۔

''مہرین،مہرین۔کہاں ہو؟ خدیجہ۔خدیجہ۔''

''آئی ابو جان۔واش روم میں تھی۔سب خیریت؟ آپ کام سے جلدی آ گئے؟'' مہرین بھاگی بھاگی آئی۔سیڑھیاں اترنے سے سانس پھولا ہوا تھا۔اتنے میں خدیجہ رانیہ کو گود میں اٹھائے آئی۔آنکھوں سے لگ رہا تھا نیند سے جاگی ہے۔

''کیا ہوا ابو؟'' وہ بھی پریشان ہوگئی تھی۔

''ہاں ہاں سب ٹھیک ہے۔شام کو پائن وجاہت آرہے ہیں شگن ڈالنے۔تم لوگ جلدی سے تیاری کرو۔کھانا شاندار ہونا چاہیے۔بلکہ چھوڑو میں کھانا باہر سے منگوالوں گا۔اتنے لوگوں کا کھانا کیسے بناؤ گی۔'' چوہدری حفیظ خوشی سے پھولے نہ سمارہے تھے۔

مہرین کی اتنی عمر نہ تھی کہ شادی کیلئے پریشان ہوا جائے۔لیکن وہ جس پسماندہ علاقے میں رہتے تھے وہاں اچھے رشتوں کا آنا مشکل نہیں ناممکن بھی تھا۔مہرین کے ننھیال میں کافی لوگ تھے جو مہرین کے رشتے کے خواہاں تھے مگر ایک ہی بات سب کی زبان پر ہوتی اپنا علاقہ بدل لیں۔یہاں رشتے داروں کو لاتے شرم آئے گی وغیرہ وغیرہ۔سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے، لڑکے پڑھے لکھے،سلجھے،سمجھدار۔مگر انکی ڈیمانڈ کو پورا کرنا فی الوقت چوہدری حفیظ کیلئے ممکن نہ تھا۔کافی بڑا خاندان تھا مگر برسوں کی دوری سے کافی کچھ بدل چکا تھا۔ہاشم کی کوششوں سے بھائی بات چیت کرنے لگے تھے۔عاصم کے انکار کے بعد ہاشم حامی نہ بھرتا تو دونوں بھائیوں

میں پھر سے دوریوں کی دیوار حائل ہو جاتی۔

''ایڈی چھیتی۔اک دو دن تک آجاندے (اتنی جلدی۔ایک دو دن تک آجاتے)۔'' مسز حفیظ سدا کی لاپرواہ۔عینک ٹھیک کرتے ہوئے تنک کر بولیں۔

''نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے پلیز لوکے۔تم لوگ تیاریاں کرو۔میں کھانے کا انتظام دیکھتا ہوں۔'' وہ کافی جلدی میں تھے باہر جانے کو تھے کہ مہرین نے کہا۔

''ایک منٹ ایک منٹ ابو۔شکیل بھائی کو تو اطلاع دے دیں۔''

''آپ نے پوچھا نہیں کتنے لوگ ہیں؟ میرا مطلب گھر کے بندے ہی ہیں یا کچھ عزیز بھی ہونگے۔اسی حساب سے کھانے کا آرڈر دیں گے نا۔'' خدیجہ نے پوچھا۔

''کہہ رہے تھے زیادہ انتظام نہ کریں۔گھر کے افراد ہیں۔ہاں وہ ہاشم بھی ساتھ آئے گا۔''

خدیجہ جی اچھا کہہ کر واپس کمرے میں چلی گئی۔مہرین، ہاشم کے آنے کا سن کر کھل سی گئی۔شرمگیں مسکراہٹ چہرے پر رقص کر رہی تھی۔ہونٹ گلاب کی پتیوں کی طرح کھل رہے تھے۔صنوبر کو میسج کیا تاکہ وہ بھی شرکت کرے۔

مہرین کا دل خوشی سے جھوم رہا تھا۔ہاشم اتنی آسانی سے مل جائے گا اسکے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔وہ سمجھی تھی تایا ایج ڈفرینس کی وجہ سے انکار کر دیں گے مگر یہاں تو بازی ہی پلٹ گئی تھی۔شادی کیلئے البتہ دو سال درکار تھے تاکہ وہ بی اے کر لے۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا مہرین کا دل دھڑک رہا تھا۔پہلے ہاشم سے بات بھی کرتی تھی میسج بھی۔اب جو کچھ محسوس کر رہی تھی وہ بالکل انوکھا، نیا اور دلکش تھا۔ٹی پنک سوٹ نکالا جس پر سلور ستاروں کا کام ہوا تھا۔وہ آج خوبصورت لگنا چاہتی تھی، ہاشم کے دل میں اترنا چاہتی

تھی۔اسکی طنزیہ، تلخ اور کڑوی باتوں کو بھلا کر وہ جی جان سے تیار ہونے لگی۔

صنوبر پانچ بجے ہی آ گئی اور مہرین کو تیار کرنے میں مدد کرنے لگی۔

''ماشاء اللہ بہت خوبصورت لگ رہی ہو مہرین۔اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے۔'' صنوبر نے دل سے مہرین کی تعریف کی۔

''نظر بد سے بچائے مگر ہاشم کی نظر سے نہیں۔میں چاہتی ہوں وہ مجھے دیکھیں، بار بار دیکھیں۔'' مسکراتے ہوئے کہا تو صنوبر نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''بار بار دیکھنے سے محبت نہیں ہوتی مہرین۔ایسا ہوتا تو یاور کب کے میرے عشق میں پاگل ہو چکے ہوتے۔جو میرے بغیر رہتے نہیں تھے اب کئی کئی دن میری شکل نہیں دیکھتے۔'' صنوبر نے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔مہرین نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''میں صنوبر ہرگز نہیں بنوں گی۔محبت کیلئے دامن نہیں پھیلاؤں گی بلکہ محبت کا پانی دے کر ہاشم کے دل میں اپنی محبت کی کونپلیں کھلنے کا انتظار کرونگی۔''

صنوبر نے آنسو پونچھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

سات بجے کے قریب چوہدری وجاہت اپنی فیملی کے ہمراہ تشریف لائے۔سنعیہ، زنیرہ، عاصم، ہاشم، ہادیہ اسکا شوہر۔وائٹ کلف والا کرتا شلوار پہنے ہاشم کافی سوبر اور ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔بات چیت کرتے ہوئے وقت کا پتہ نہ چلا۔

''کدھر ہے دھی رانی؟'' چوہدری وجاہت نے پوچھا۔

''میں بلاتی ہوں۔'' صنوبر نے کہا۔

صنوبر کی پیروی میں آتی مہرین کو ہاشم نے بغور دیکھا۔ٹی پنک سوٹ میں وہ کافی حسین لگ رہی تھی۔جھمکوں کی چمک سے چہرہ مزید روشن ہو رہا تھا۔جوڑے سے نکلتی لٹیں رخساروں

کا بوسہ لینے کو بیتیاب تھیں۔ لمبی گھنی پلکوں کی باڑ میں جھکی آنکھیں ہاشم کو دل میں اترتی محسوس ہوئیں۔ احساسِ چاہت سے دل لبریز ہو گیا۔ ایسا میٹھا، سریلا اور مدھم احساس جو صرف عنایہ کو دیکھ کر جاگتا تھا۔ آج اس کا دل ایک بار پھر محبت کی لے پر دھڑک رہا تھا۔ آنکھیں بار بار اسکو دیکھنے کی جسارت کر رہی تھیں۔

صنوبر نے مہرین کو نزہت وجاہت کے پاس بٹھایا۔ وہ جانتی تھی انکے خاندان میں میاں بیوی کو ایک ساتھ بیٹھنے پر برا سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تو منگنی ہو رہی تھی۔

''نزہت! بسم اللہ کرو۔'' چوہدری وجاہت نے اپنی بیوی کو مخاطب کیا تو اس نے ڈبیہ میں موجود سونے کی انگوٹھی نکال کر مہرین کو پہنائی۔ دو ہزار ہاتھ میں رکھے اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ باری باری سب نے رسم کی۔

پھر ہاشم کی باری آئی۔ استطاعت کے مطابق چوہدری حفیظ نے پانچ ہزار ہاتھ میں رکھے۔ شکیل نے گھڑی پہنائی۔ خدیجہ نے پرفیوم گفٹ کیا۔ صنوبر نے شیونگ سیٹ دیا۔ رسم کے بعد کھانے کا دور شروع ہوا۔ صنوبر اور خدیجہ کھانا لگانے میں مصروف ہو گئیں۔ ماں کے کہنے پر مہرین خدیجہ کے کمرے میں جا چکی تھی۔

مہرین کے جاتے ہی ہاشم کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا۔ سب خالی و ویران لگنے لگا۔ اسے لگا مہرین جاتے جاتے ساری رعنائی، خوبصورتی، دلچسپی اور دلکشی ساتھ لے گئی۔ اس نے خود کو ڈپٹا۔

''عنایہ تمہاری خاطر جان سے گئی اور تم یہاں دل لگانے کی تیاری کر رہے ہو۔'' اندر سے آواز آئی۔

''زندگی گزارنے کیلئے دل لگانا ہی ہوگا تاکہ بیوی کے حقوق اچھے سے ادا کر سکوں۔ بے

دلی سے بنائے گئے رشتے زیادہ دیر رہتے ہیں نہ زندگی کو خوبصورت ہونے دیتے ہیں۔ عنایہ میری محبت تھی۔ اسکا مقام میرے دل میں آج بھی ویسا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لیکن جو میری زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہے اسکو بھی تو وہ سب چاہیے جو عنایہ مجھ سے چاہتی تھی۔ توجہ، مان، اعتماد۔'' اندر کی آواز کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

''محبت۔'' اندر کی آواز نے پوچھا۔ ہاشم خاموش رہا۔ کیا کہتا محبت تو ہو چکی۔ مہرین سے محبت کرنے کیلئے وقت چاہیے۔ اس نے توجہ کھانے میں مرکوز کر دی۔ رات ساڑھے دس بجے چوہدری وجاہت نے جانے کیلئے اجازت طلب کی۔

ہاشم باہر نکلنے کو تھا کہ صنوبر نے اسکو ایک گفٹ پکڑایا۔ ہاشم نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''مہرین کی طرف سے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے گھر کی طرف چل دی۔

تھکن سے چور گھر آتے ہی سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ ہاشم ٹی وی لاؤنج میں صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں کول واٹر کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ہاشم چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''عنایہ۔ عنایہ تم یہیں کہیں ہو۔'' سوائے خوشبو کے کچھ نہ تھا۔ اس نے اپنے اندر سے بات کرنے کی کوشش کی مگر گہری خاموشی تھی۔ گفٹ باکس کو غور سے دیکھا۔ لمبا سانس لیا اور ٹیبل پر رکھ دیا۔ پھر اٹھایا واپس رکھ دیا۔ ایسا دو تین بار کیا۔

''ڈرتے ہو کہیں اسکی محبت کے آگے گھٹنے نہ ٹیک دو؟ یا پھر مہرین کی محبت نے جنگل کی شیرنی کی طرح تمہارے دل میں اپنی چاہت کے پنجے گاڑ کر اس قدر گھائل کر دیا ہے کہ تم کچھ سوچنے کے قابل نہیں۔ سب بھول گئے ہو یہاں تک کہ عنایہ کی قربانی بھی۔'' اندر کی بیتاب و

بے قرار آواز نے دوبارہ چٹکی کاٹی۔

''ڈرتا تو میں اپنے باپ سے بھی نہیں۔مہرین کی محبت کیا معنی رکھتی ہے میرے نزدیک؟'' ہاشم نے للکارا۔

''اچھاااا۔ڈرتے نہیں تو رشتے کیلئے ہاں کیوں کی؟ اگر وہ لڑکی کوئی معنی نہیں رکھتی تو انکار کر دیتے۔''

''پیار کرتا ہوں۔عزت کرتا ہوں۔احترام کرتا ہوں انکا۔دوسری بات میں نہیں چاہتا تھا کہ دونوں بھائی پھر سے الگ ہو جائیں۔دوری کا عذاب سہیں۔شادی کہیں نہ کہیں تو کرنی ہے آج نہیں تو کل۔پھر مہرین ہو یا کوئی اور فرق نہیں پڑتا۔کم از کم پاپا کی خواہش پوری ہو جائے گی۔'' ہاشم نے تفصیلی جواب دیا۔

''عنایہ کا کیا؟'' اندر کی آواز نے ملامت کیا۔

''مجھے ساری زندگی کیلئے بے سکون کر کے وہ مٹی اوڑھے سکون کی نیند سو رہی ہے۔ایکبار میرے بارے میں سوچ لیتی تو ایسا قدم نہ اٹھاتی۔''

''ایسا نہ کرتی تو تمہاری محبت دل میں دبائے کسی اور کیساتھ زندگی بسر کر رہی ہوتی۔'' آواز مسلسل اسے زچ کر رہی تھی۔

''سو واٹ؟ محبت سب کو مل جائے کیا ضروری ہے؟ لوگ تشنہ بھی رہ جاتے ہیں۔ہم بھی سہی۔محبوب کی خوشی و سلامتی عزیز ہوتی ہے۔وہ زندہ ہوتی تو مجھے صبر آ ہی جاتا کہ وہ اب میری نہیں مگر حیات تو ہے۔وہ میری وجہ سے جان سے گئی یہ سوچ کر ہلکان ہو جاتا ہوں۔کہاں جاؤں؟ کہاں سکون پاؤں؟'' ہاشم نے لاجواب کر دیا۔

فریج سے ٹھنڈا پانی نکالا۔ایک سانس میں پورا گلاس خالی کیا۔گفٹ باکس اٹھایا اور اپنے

کمرے میں چلا گیا۔ بے دلی سے باکس بیڈ پر پھینکا۔ کپڑے بدلے اور سونے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ مہرین کا جگمگاتا چہرہ سامنے آجاتا تو آنکھیں کھول دیتا۔ کبھی ہادیہ کی شادی کے مناظر آنکھوں میں گھومنے لگتے جب وہ تتلی کی طرح یہاں وہاں رنگ بکھیر رہی تھی۔

کول واٹر کی مدھم بھینی خوشبو اس کے کمرے میں بھی پھیلی ہوئی تھی۔ اسے لگا عنایہ وہیں کہیں موجود ہے۔ رسپانس نہیں کر رہی اور بات ہے پر وہ موجود ہے۔

''کیا وہ جان گئی کہ میں خیانت کرنے جا رہا ہوں؟ آہ! وہ کیسے جان سکتی ہے۔ کیسے جان سکتی ہے وہ گہری نیند سو رہی ہے۔ ایک بار بھی میرا نہیں سوچا کہ میں کیسے..... کیسے جی سکوں گا؟ ندامت، پشیمانی، بیقراری، بے سکونی میرا مقدر بنا کر چلی گئی ہو عنایہ۔ اگر تم جان جاتی کہ کس قدر چاہتا ہوں تو یہ قدم کبھی نہ اٹھاتی۔'' ہاشم پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ عنایہ سے وعدہ کیا تھا کبھی اداس ہوگا نہ غصہ کرے گا۔ مگر وہ اداس نہیں تھا بس رو رہا تھا۔

''کول واٹر۔ واؤ۔ واٹ آ پلیزنٹ فریگرینس (Cool waterm wao.. what a pleasant pragrance)۔'' ہاشم نے سونگھتے ہوئے کہا تو عنایہ خوش ہوگئی۔ مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''تھینک گاڈ تمہیں پسند آئی۔ یہ سمیل مجھے بہت پسند ہے۔ اب تم یہی لگایا کرنا تاکہ تمہیں خود سے میری خوشبو محسوس ہو۔ مجھے ہر وقت اپنے پاس پاؤ۔'' عنایہ نے چاہت سے کہا۔ ایکدم ہوش میں آیا۔

''میں نے بے وفائی نہیں کی عنایہ۔ میں اب بھی تمہارا ہوں۔ ہمیشہ تمہارا رہونگا۔ مجھے یہ منگنی کرنا پڑی۔ پاپا کی خوشی کی خاطر۔'' وہ عنایہ سے مخاطب ہوا۔ کمرے میں سوائے اس خوشبو کے اور کوئی احساس نہ تھا۔

''عنایہ۔عنایہ۔تم سن رہی ہونا۔'' ہاشم نے بے اختیار ہو کر پکارا۔خاموشی۔سناٹا۔ٹک ٹک گھڑی کی سوئیوں کی آواز۔نگاہیں باکس کی طرف اٹھیں۔باکس اٹھایا اور سونگھا تو خوشبو وہاں سے آرہی تھی۔کول واٹر۔

ریپنگ کھولنے لگا۔ایک باکس نکلا جس میں تین دل ایک دوسرے کیساتھ جڑے ہوئے تھے۔ایک بڑا، چھوٹا اور اس سے چھوٹا۔لال رنگ کے بنے دل میں سفید رنگ سے Love لکھا ہوا تھا۔ایک پیلے رنگ کا پیپر جس پر سرخ گلیٹر پن سے شعر لکھا ہوا تھا۔

رات سرہانے رکھ کر سوتی ہوں

تیرا لہجہ، اپنا صبر!

پیپر کے چاروں کونوں پر نیلے اور سبز رنگ کے گلیٹر پن سے پھول بنائے ہوئے تھے۔شعر پڑھ کر جہاں ہاشم کا دل بے چین و بے سکون ہوا وہیں پیپر پر پھول کاری دیکھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''کچی عمر کی پکی محبت یونہی ہوتی ہے شاید۔'' اس نے خود سے کہا اور مسکراتے ہوئے پیپر فولڈ کر کے واپس باکس میں رکھ دیا۔دل ہاتھوں میں تھامے دیکھتا رہا۔کمرے کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی کہ کسی جگہ لگا سکے۔ ڈریسنگ ٹیبل کیساتھ ایک باریک کیل لگی ہوئی تھی۔ اس نے وہ وہیں لٹکا دیا۔واپس بیڈ پر آ کر بیٹھا اور ہارٹ چین دیکھنے لگا۔عنایہ کی یاد کہیں پیچھے رہ گئی۔جیسے ہی ہوش آیا وہ اتارا اور واپس باکس میں ڈال کر بند کر دیا۔اس کا بند رہنا بہتر تھا ورنہ محبت پر حرف آتا۔ہارٹ چین تو ڈبے میں بند کر دی لیکن خوشبو کو وہ روک سکتا تھا نہ اپنی سوچوں پر پل باندھ سکتا تھا بالکل اسی طرح جیسے مہرین کو محبت کرنے سے نہ روک سکتا تھا۔

''کہیں جا رہے ہیں ابو جی؟'' چوہدری حفیظ کو تیار ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں پتر۔ ساہیوال جا رہا ہوں۔ فون آیا تھا نزہت کا۔ تمہارے تایا کی طبیعت خراب ہے۔''

''اللہ خیر۔ کیا ہوا تایا ابو کو؟''

''جا کر پتہ چلے گا۔ سوال جواب نہ کر۔ ایک کپ چائے پلا دو جلدی سے تاکہ میں جاؤں۔'' مہرین جی اچھا کہہ کر چائے بنانے چلی گئی۔

''کیا انکی زندگی میں میری کوئی حیثیت، کوئی مقام نہیں کہ مجھے مطلع کرتے؟ کیا میں اتنی غیر اہم ہوں انکے لئے؟ منگنی ہوئے مہینہ ہونیوالا ہے اس دوران ایک بار بھی کال یا میسج نہیں کیا۔ پہلے تو ہر دوسرے دن فون کرتے تھے ابو کو۔ مگر اب۔''

''مہرین لے آؤ چائے بھئی۔'' والد کی آواز پر چونکی۔ جلدی سے چائے کپ میں ڈالنے لگی۔

چوہدری حفیظ کے جاتے ہی مہرین نے خدیجہ سے موبائل لے کر میسج پیکج کیا تاکہ ہاشم کو میسج کر کے تایا کی خیریت پوچھ سکے۔ کچھ سوچ کر رک گئی۔ موبائل ایک طرف رکھ دیا۔

''جب اسے ضرورت نہیں اطلاع دینے کی تو مجھے کیا پڑی ہے پوچھنے کی۔ میں ابو کے نمبر سے بات کر کے براہِ راست خیریت پوچھ لونگی۔'' بہت بار دل نے اکسایا کہ پہل کرے مگر انا کا جھنڈا بلند رکھنا لازم تھا۔ دل ہار گیا۔ انا جیت گئی۔

موبائل سائیڈ پر رکھ کر وہ پیپر کی تیاری کرنے لگ گئی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ آس پاس دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ خدیجہ اور مسز حفیظ سو رہی تھیں۔ جیسے ہی دروازہ کھولا سامنے دشمن جاں کو پایا۔

''السلام علیکم جناب!'' وہی طرزِ مخاطب، وہی اندازِ گفتگو، وہی تمکنت جسکی وجہ سے وہ دل

ہار بیٹھی تھی۔

''اندر آنے پر پابندی ہے؟''

''وعلیکم السلام! آیئے۔''

وہ برآمدے میں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ابو تو دوپہر کے تایا ابو کی طرف گئے ہیں۔ انکی طبیعت خراب تھی۔'' مہرین نے کہا۔

''اچھا۔ مجھے نہیں پتہ۔ میں صبح کا نکلا ہوا ہوں گھر سے۔ یہاں آیا تھا تاکہ کوئی اچھا ڈاکٹر دیکھ کر پاپا کی بیماری کے بارے میں ڈسکس کر سکوں۔ ریڑھ کی ہڈی میں درد ہے۔ کافی بڑھ گیا ہے۔''

''اللہ خیر کرے گا۔ آپ بیٹھیں میں چائے لاتی ہوں۔'' برآمدے کیساتھ ہی ایک شیلف پر چولہا رکھ کر کچن بنایا گیا تھا۔ مہرین چائے بنانے لگ گئی۔

''بھابھی اور چاچی کہاں ہیں؟'' ہاشم نے پوچھا۔

''سو رہی ہیں۔ امی تو نیند کی دوا کھا کر سوئی ہیں۔ بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' پتی ڈالتے ہوئے بتایا۔

''یار چاچی کبھی جاگتی بھی ہیں۔ جب دیکھو سوئی رہتی ہیں حالانکہ اتنی بیمار بھی نہیں۔ صرف شوگر ہی ہے۔ تم بھی تو انکے نقش قدم پر چلتے ہوئے نیندیں پوری نہیں کرتی۔''

''اچھی نیند سوئے عرصہ ہوا۔'' کپ میں چائے ڈالتی ہوئے بولی تو ہاشم نے غور سے دیکھا۔ کتنی گہری بات کی تھی اس نے۔ اپنی عمر سے بڑھ کر۔ وہ تیزی سے اٹھا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا چلا گیا۔ مہرین ہکا بکا دیکھتی رہ گئی۔ چاہتے ہوئے بھی نہ روک سکی۔ جانتی تھی اسکی آواز پر وہ نہیں رکے گا۔ چائے کا کپ لے کر چھت پر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

عاصم کے انکار کے بعد وہ خوش تھی جب ہاشم کی طرف تایا نے رضامندی کا عندیہ دیا۔ کئی بار لگا ہاشم اس پر اسکے گھر والوں پر احسان کر رہا ہے شادی کر کے۔ مگر اب پتہ چلا وہ تو واقعی احسان تھا ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر۔ ہاشم کا مہرین پر کہ عاصم کے ٹھکرانے کے باوجود اپنا رہا ہے۔ اس کے دل میں مہرین کیلئے ذرا بھی جگہ ہوتی تو یوں نظر انداز نہ کرتا۔ ذرا سی بات پر اٹھ کر جانا مہرین کو بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔ خواب ریزہ ریزہ کر کے اسکے وجود کی کرچیاں یہاں وہاں بکھیر گیا جسکو سمیٹنے میں شاید زمانہ لگے یا پوری زندگی۔ وہ نہیں جانتی تھی۔

❁.....❁.....❁

چوہدری حفیظ جب سے گھر آئے تھے پریشان تھے۔ شکیل کے پوچھنے پر ٹال گئے۔ چھت پر جا کر فون پر لمبی لمبی باتیں کرتے۔ جب کوئی جاتا تو اللہ حافظ کہہ کر فون کاٹ دیتے۔ مہرین، خدیجہ، شکیل سب انکے روبے سے اَپ سیٹ تھے۔ مسز حفیظ کو البتہ فرق نہیں پڑا۔ وہ سدا کی لاپرواہ عورت تھی جسکا کام باتیں بنانا تھا۔

''ابو جی۔ کوئی تو بات ہے جو آپکو پریشان کر رہی ہے۔ تایا ابو نے کچھ کہا ہے؟ انکے گھر کوئی بات ہوئی ہے کیا؟ کس سے فون پر دیر دیر تک بات کرتے ہیں؟ کچھ تو بتائیں کیا معاملہ ہے۔'' شکیل نے زور دے کر پوچھا۔

''یار معاملہ کجھ وی نئی۔ تیرے تایا نے شادی کیلئے کہا ہے۔ زنیرہ کی شادی ہے دو ماہ بعد۔ کہتے ہیں ہاشم کی شادی بھی ساتھ کرنی ہے تا کہ اسکی خوشی بھی دیکھ سکے۔ اب خود بتا ہم نے تو کچھ بھی نہیں بنایا۔ کہاں سے کریں گے سب؟'' انہوں نے پریشانی کی وجہ بتائی۔

''دو ماہ۔ آپ نے کہا نہیں تایا ابو کو کہ اتنی جلدی سب کیسے ہوگا؟ ہمارے حالات انکے سامنے ہیں۔ وہ تو مہرین کی پڑھائی پوری ہونے کے بعد کہہ رہے تھے۔ ابھی تو وہ بارہویں کا

امتحان دے رہی ہے۔ دو سال تو چاہئیں۔ اب ایکدم سے۔'' شکیل حقیقتاً پریشان ہو گیا۔ سر مسلتے ہوئے ٹہلنے لگا۔

''فون پر فون کر کے کہہ رہے ہیں کب آئیں دن تاریخ کیلئے۔ کیا کہوں یار۔''

''ابو جی! آج نہیں تو کل شادی کرنی ہی ہے۔ جس طرح کے حالات ہیں، مہنگائی ہے دو سال بعد بھی زیادہ نہیں بنا پائیں گے۔ جو کچھ مہرین کی قسمت کا ہے دے کر رخصت کر دیتے ہیں۔ یوں بھی وہ آپکے بھائی ہیں آپکے علاقے سے، اس گھر سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم کس طرح کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔'' خدیجہ نے صاف گوئی سے کہا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو دھی رانی۔ مگر بھرم بھی تو کوئی چیز ہے۔ بھلے میرے اپنوں نے دھوکہ کر کے جائیداد اپنے نام لکھوالی مگر کل کو مہرین کو یہ سننے کو تو نہ ملے گا کہ باپ نے کیا دیا۔''

''یہ کیا بات کہی ابو جی۔ آپکو لگتا ہے ہماری بیٹی کو باتیں سننے کو مل سکتی ہیں تو اپنوں میں بیاہنے کا فائدہ؟ آج ہم اس حال میں پہنچے ہیں کس کی وجہ سے؟ اس مقام تک لانے والے کچھ ہمارے اپنے ہیں کچھ آپ۔'' شکیل نے کہا تو چوہدرہ حفیظ سر ہلا کر رہ گئے۔

''ٹھیک کہتے ہو یار۔ میں نے عقل سے کام لیا ہوتا تو آج اس۔ اس جگہ پر نہ ہوتا۔ اس سے کئی گنا اچھے گھر میں تو ہمارے ملازم رہتے تھے جہاں آج ہمیں رہنا پڑ رہا ہے۔ میری کم عقلی اور اندھے اعتماد کی وجہ سے۔ اتنے وسائل بھی نہ رہے کہ تمہیں اچھی تعلیم دلا سکتا۔ کم از کم تم کسی اچھی پوسٹ پر تو ہوتے۔'' وہ رو پڑے۔

''میرا مقصد آپکو تکلیف پہنچانا نہیں تھا ابو جی۔ آپ نے جو بھی کیا بھول جائیں۔ اس عمر میں نوکری کر کے میرا ساتھ دے رہے ہیں کافی نہیں کیا۔ میں بس پریشان ہو گیا ہوں اخراجات کی وجہ سے۔ دو ماہ میں کیسے ہوگا سب یہ سوچ کر ہلکان ہو رہا ہوں۔'' چوہدری حفیظ کو

گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''ساری زندگی تمہاری ماں سے سکھ نہیں ملا۔اس نے کبھی میرے بارے میں، اپنی اولاد کے بارے میں نہیں سوچا۔ میں نے تو غلطی کی سو کی۔اس بے عقل نے بھی کچھ نہ سوچا۔اپنے حصے کی زمین اور مکان بھائیوں کے نام کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماردی۔چلو یہ چھوڑ دو۔ عقل کی مالک ہوتی تو تھوڑا تھوڑا جوڑ کر رکھتی کہ کل کو بیٹی کو بیاہنا ہے۔کھانے اور سونے سے فرصت نہیں۔''

''آہو میں سولی تے لٹکا کہ رکھیا اے نا۔مینوں تو بے دیندا سی جو میں جوڑ دی (ہاں میں نے سولی پر لٹکا کر رکھا ہے نہ۔ مجھے تو نوٹ دیتے تھے جو میں جوڑتی)۔'' ہمیشہ کی طرح کڑوا لہجہ۔

''بحث کرنا ضروری ہے آپ دونوں کا۔مسئلہ کیا ہوتا ہے کیا بن جاتا ہے۔'' شکیل تپ گیا۔کبھی کبھی ماں باپ کے جھگڑوں سے وہ تنگ آجاتا تھا۔

''ابو! آپ جو بستر، برتن وغیرہ بناتے رہے ہیں، وہ نکالیں۔ کچھ پیسوں کا بندوبست کر کے ہم کپڑے لتے اور ضرورت کی چیزیں بنالیں گے۔'' خدیجہ اصل بات کی طرف آئی۔

''میری ایک لاکھ کی کمیٹی ہے۔میں صادق کو کہتا ہوں کہ کسی طرح وہ اگلے مہینے دے دے تا کہ خریداری کر سکیں۔ کچھ مزید پیسوں کا بندوبست کر لیں گے۔'' شکیل بولا۔

''آپ انکو فون کر کے بلوالیں۔ باقی اللہ مالک۔ ہو جائے گا سب۔میں صادق کو فون کر کے آتا ہوں۔'' شکیل کہہ کر فون کرنے چلا گیا۔

مہرین کا خواب پورا ہو رہا تھا، آرزوؤں کی تکمیل قریب تھی مگر اس کے اندر سناٹا تھا، یاسیت تھی، نظر انداز کیے جانے کی تکلیف تھی۔ منفی سوچوں کی یلغار تھی۔

''وہ زیادہ دیر تمہاری محبت کی تپش سے بچ نہیں سکے گا۔ مجھے امید ہے تم چاہت سے اسکا دل اپنی طرف موڑ لوگی۔ وہ مجبور ہو جائیگا تمہیں چاہنے کیلئے۔ محبت کا جواب محبت سے ضرور ملے گا خواہ دیر سے سہی۔ بس صبر شرط ہے۔'' صنوبر کی کہی بات یاد آئی۔

''میں بلاوجہ نیگیٹو ہو رہی ہوں۔ اللہ اگر انکو میرا نصیب بنا رہا ہے تو دل میں محبت بھی وہی رب ڈالے گا۔ میں اپنے پیار، توجہ اور خلوص سے انکو جیت لونگی۔ عنایہ کی محبت دل سے نہیں نکال سکتی لیکن اپنی محبت کیلئے جگہ تو بنا سکتی ہوں۔ ہاں میں ایسا ہی کرونگی۔ اپنی جگہ مجھے خود بنانا ہوگی۔ ہار نہیں مانوں گی۔ کبھی نہیں۔'' اس نے عزم کیا۔ مرجھائی کلی کھل چکی تھی۔ وہ پھر سے مسکرادی۔

سب کچھ اتنا جلدی ہوا کہ پتہ بھی نہ چلا۔ دو ماہ پلک جھپکتے گزر گئے۔ گولڈن جامنی کنٹراسٹ کی لانگ میکسی پہنے وہ بیحد دلکش لگ رہی تھی۔ کم عمری کی چمک نے روپ کو نکھار دیا تھا۔ گولڈن جھمکوں کی چمک چہرے پر پڑ کر اسکے حسن کو مزید چمکا رہی تھی۔ لمبی گھنی پلکوں کی باڑ میں چھپی براؤن آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ اسکا دل عجیب لے پر دھڑک رہا تھا۔ مہرین حفیظ سے مہرین ہاشم بن کر وہ بے حد خوش تھی، بہت زیادہ۔ اسے اپنی قسمت پر رشک آیا کہ بغیر کسی رکاوٹ وہ ہاشم کی ملکیت بن گئی۔

''نئے سفر کی شروعات کی مبارکباد مہرین ہاشم۔ راستہ مل چکا ہے۔ منزل تک پہنچنا باقی ہے۔ کٹھن و دشوار راہوں سے گزر کر تم منزل پالو گی۔ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے قدم آگے بڑھاؤ۔ وِش یو بیسٹ آف لک۔'' صنوبر نے مہرین کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

وہ رخصت ہو کر چوہدری وجاہت ہاؤس آ گئی۔ مختلف رسموں سے فارغ ہو کر اسکو کمرے

میں لایا گیا۔

''عمر میں تم مجھ سے بہت چھوٹی ہو لیکن ہاشم بھائی کی بیوی ہونے کے ناطے رشتے میں بڑی۔ اسلئے آج سے تمہیں بھابھی کہونگی۔ کوئی مسئلہ تو نہیں؟'' سنعیہ نے کہا تو مہرین نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مجھے اچھا لگے گا۔'' سنعیہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''آپ تھوڑا ستا لیں۔ بھائی باہر بیٹھے ہیں۔ وقت لگ جائے گا انکو آنے میں۔ لفنڈر دوست ہیں جلدی پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

مہرین نے کمرے کا جائزہ لیا جسے بہت نفاست، خوبصورتی اور مہارت سے سجایا گیا تھا۔ سامنے آئینے میں خود کو دیکھا۔ دو گھنٹوں کے سفر کے بعد بھی اسکا میک اَپ تر و تازہ تھا۔ وہ انتہائی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ کمرے میں خنکی کے باوجود حنائی ہاتھوں میں پسینہ آ رہا تھا۔ بیڈ کی سائیڈز پر رکھے گلاب کے پھولوں کی خوشبو اسکو اندر تک معطر کر گئی۔ اس نے لمبا سانس لیا اور بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ جانے کیسے بیٹھے بیٹھے اونگھ آ گئی۔

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا سامنے اسکو لیٹے دیکھا جو سلیپنگ بیوٹی کی طرح آنکھیں بند کئے اردگرد سے غافل سو رہی تھی۔ گولڈن اور جامنی رنگ کنٹراسٹ میں اسکی رنگت دمک رہی تھی۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ معصوم، دل موہ لینے والی۔ حسن ایسا جو خیرہ کر دے۔ شاید میک اَپ کا کمال ہے۔ اس نے سوچا۔

''میک اَپ نہ کرے تو بھی مہر خوبصورت ہے تم نے کبھی غور سے دیکھا نہیں۔'' خود سے کہا۔

''مٹی کے مجسمے کو آراستہ کیا کر دیا تم تو بے ایمان ہو گئے۔ بھول گئے عنایہ کو اسکی قربانی کو؟'' اندر کی آواز نے بھڑکایا۔

''عنایہ کو کیسے بھول سکتا ہوں؟ وہ میری ہر سانس میں ہے۔ چھ سالوں میں ایسی کونسی رات گزری جب اسکو یاد نہ کیا ہو۔ دھڑکن میں بستی ہے۔''

''پھر مت توجہ کرو اسکی طرف۔ یہ فریب ہے، دھوکہ ہے، سراب۔ تمہیں عنایہ کی یادوں سے غافل کر دے گی۔ بیگانہ کر دے گی اسکے تخیل سے۔ اس کے حسن کے آگے گھٹنے مت ٹیکنا۔''

''میں حسن پرست نہیں جو کسی بھی حسین چہرے کو دیکھ کر مر مٹے۔ مگر یہ میرے نکاح میں ہے اسلئے ہر طرح کا حق رکھتا ہوں۔ اسکے حقوق کی ادائیگی میرے فرائض میں شامل ہو چکی ہے۔ شوہر کی توجہ سے محروم رکھ کر گناہ گار نہیں ہونا چاہتا نہ اسے تشنہ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا وہ ادھوری عورت کی سی زندگی جیئے۔ اگر ایسا کرنا ہوتا تو مہرین سے تو کیا کسی سے بھی شادی نہ کرتا۔'' ہاشم کی تاویل لاجواب کر گئی پر ہار نہ مانی گئی۔

''صاف صاف کہو ایمان ڈگمگا گیا ہے، دل بے ایمان ہو گیا ہے کم سن، معصوم حسن دیکھ کر۔'' ایک اور وار کیا۔

''جو بھی سمجھ لو۔ یہ رشتہ ہی ایسا ہے۔ شوہر کا ایمان بیوی کو دیکھ کر نہ ڈگمگائے گا یا اسکے حسن کے آگے بے ایمان نہ ہو گا تو کس کے آگے ہو گا؟''

''عنایہ۔'' بلیک میل کیا۔

''عنایہ میرے دل میں تھی ہے اور رہے گی۔ وہ میری پہلی اور آخری محبت ہے۔ یہ میری بیوی۔ صرف بیوی۔'' ہاشم نے کہا اور خیالات کو جھٹکا۔

مہرین ایکدم کھنکھارنے کی آواز سے ہڑبڑا کر اٹھی۔

''آپ۔ پپ۔ پتہ نہیں کیسے آنکھ لگ گئی۔''

''کوئی بات نہیں۔ سارے دن کی تھکاوٹ، لمبا سفر اوپر سے فضول رسمیں۔ بندہ تھک ہی جاتا ہے۔'' واسکٹ اتارتے ہوئے کہا تو مہرین جی کہہ کر خاموش ہوگئی۔

گھڑی اتارتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے سے دیکھا تو مہرین اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہاشم کی نظر پڑتے ہی گڑبڑا کر نگاہیں جھکالیں۔ ہاشم کے دل کو کچھ ہوا۔ مہرین کے پاس آکر بیٹھا۔ ڈبی کھول کر انگوٹھی انگلی میں پہنائی۔ مہرین کے جسم میں عجیب سا احساس جاگا وہی احساس ہاشم کو بھی ہوا۔

''پیاری لگ رہی ہو۔'' ہاشم نے دل سے کہا۔

''شکریہ۔'' اس نے شرم سے نگاہیں جھکالیں۔

''مہرین! یہ شادی میں نے پاپا کی خوشی کی خاطر کی ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ پاپا اور چاچو میں پھر سے دوریاں آئیں۔ دونوں بھائی پھر سے الگ ہو جائیں اسلئے مجھے شادی کیلئے حامی بھرنی پڑی۔ ورنہ ہمارا کوئی جوڑ نہیں بنتا۔''

مہرین نے ملامت بھری نظروں سے دیکھا۔

''جوڑ سے مراد دونوں کی عمر میں فرق ہے۔ کافی زیادہ ہے نا۔ گیارہ بارہ سال۔'' اسکا ہاتھ اب بھی ہاشم کے ہاتھوں میں تھا۔

''میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ محبت ذات پات، رسم ورواج، مذہب اور عمر کی قید سے ماورا ہوتی ہے۔'' مہرین نے ہولے سے کہا۔

''ہاں صحیح کہتی ہو۔ مہر! میں تمہاری تمام ضروریات کا خیال رکھونگا۔ کوشش کرونگا تمہیں مجھ

سے کوئی شکایت نہ ہو۔ پر کبھی محبت کا سوال مت کرنا۔ میں نہیں کر سکوں گا۔ محبت ایک بار ہوتی ہے۔ وہ۔ وہ میں کر چکا ہوں۔'' ہاشم نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ مہرین کو دکھ ہوا پر اسکے لئے وہ ذہنی طور پر تیار تھی۔ وہ جانتی تھی عنایہ کی محبت اتنی جلدی نہیں جائے گی۔ اسے ہاشم کو مکمل پانے کیلئے محنت کرنا ہوگی۔ وہ ہارنے کیلئے نہیں بلکہ جیت کی ٹھان لے کر آئی تھی۔

''اگر دوبارہ ہوگئی تو؟'' مہرین نے پوچھا تو ہاشم نے ایک لمحہ اسکو دیکھا۔

''تو ہاشم مکمل تمہارا ہوگا۔ صرف تمہارا۔'' بے خودی میں مہرین کو اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔ کول واٹر کی خوشبو اسے بیگانہ کر رہی تھی۔ ملن تھا، خود سپردگی تھی، وارفتگی تھی۔ مگر تکمیل ابھی باقی تھی جو دلی محبت کے بغیر ادھوری اور نامکمل تھی۔ مہرین جانتی تھی تکمیل اسکا مقدر ہوگی۔ صبر شرط ہے اور یہ شرط اسے ہر حال میں جیتنا تھی۔ اندر کی آواز ہار کر خاموش ہو چکی تھی اب اسے خاموش رہنا تھا۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے!

حسبِ معمول فجر کی اذان کے وقت مہرین کی آنکھ کھلی۔ سرشاری کی کیفیت تھی۔ پر کیف سرور نے اسکے وجود کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ اس ملن کے بارے میں اس نے کہاں سوچا تھا۔ وہ سمجھتی تھی ہاشم نگاہِ غلط تک نہ ڈالے گا۔ اسکو وقت چاہیے ہوگا مہرین کو اپنانے کیلئے۔ مگر ہاشم کی قربت نے اسکی سوچ کو غلط ثابت کر دیا۔ اللہ کا شکر ادا کرنا لازم تھا۔ محبت بھری نظر سوئے ہوئے ہاشم پر ڈالی اور واش روم چلی گئی۔ نماز ادا کر کے شکرانے کے نفل ادا کیے۔ آنسو آنکھوں سے رواں تھے۔ وہ جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔

کچن جانے کیلئے باہر گئی۔ سب تھکن سے چور سوئے ہوئے تھے۔ چوہدری وجاہت صحن میں بیٹھے تسبیح کر رہے تھے۔

''السلام علیکم تایا ابو۔''

''وعلیکم السلام! جیتی رہ دھی رانی۔'' سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''تایا ابو چائے پئیں گے؟''

''کہاں پتر۔ سب سو رہے ہیں۔ تیری تائی بھی تھکی ہوئی ہے ورنہ اٹھ کر بنا دیتی۔''

''میں بنا دیتی ہوں۔ مجھے بھی طلب ہو رہی ہے۔''

''نہ دھی رانی۔ تیرا پہلا دن ہے شادی کے بعد۔ اچھا نہیں لگتا۔ کوئی نہ کوئی اٹھ جائے گا۔''

''تایا ابو! پہلا دن اپنے ہی گھر پر ہے نا۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ میں لاتی ہوں بنا کر۔''

وہ دعائیں دینے لگے۔ چائے کا کپ لے کر چھت پر چلی گئی۔ سورج اوپر ہوا تو نیچے آ گئی۔ سات بج رہے تھے۔ اب تک کوئی نہ اٹھا تھا۔

''لگتا ہے بہت تھک گئے ہیں سب۔'' خود سے کہا اور نہانے کی غرض سے کمرے میں چلی گئی۔ ہاشم جاگ چکا تھا۔ کنگھی کرتے ہوئے مہرین کو گہری نظروں سے دیکھا تو اس کے ہاتھوں میں پسینہ آ گیا۔

''کیا بات ہے۔ بہت نکھری نکھری لگ رہی ہو۔'' مہرین کے قریب آ کر بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا۔

''آپکی قربت کا کمال ہے۔'' شرماتے ہوئے کہا۔

''دیکھ لو۔ ہم ایسے ہی ہیں جسکو دیکھ لیتے ہیں نکھار دیتے ہیں۔'' ہاشم نے مصنوعی کالر جھاڑے۔

''نوازش۔'' مہرین نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

''ہمیشہ تیار شیار رہنا۔ سر جھار منہ پھاڑ بیویاں اچھی نہیں لگتیں۔''

مہرین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پاپا! میں سوچ رہاں ہوں گھر کو دوبارہ سے تعمیر کروایا جائے نئے طرز کا۔ یہ کافی پرانی طرز کا ہو چکا ہے۔ عاصم اور سنیعہ کی شادی بھی کرنی ہے۔ کیا خیال ہے آپکا۔'' خلافِ معمول وہ گھر پر سب کیساتھ چائے پی رہا تھا۔ اسکی بات پر نزہت سمیت سب نے چونک کر دیکھا۔ ایک نظر چوہدری وجاہت پر ڈالی جنکے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔

''ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک کمرہ میرے اور سنیعہ کے استعمال میں ہے۔ سنیعہ کی شادی کے بعد میں صحن میں سوؤں گی تمہارے ابا کی خاطر ویسے بھی بار بار باہر کے چکر لگانا پڑتے ہیں۔ عاصم کی شادی کیلئے چھت پر موجود کمرے کو خالی کروا کر رینوویٹ کروالیں گے یا ہمارے والا کمرہ وہ لے لے گا۔'' نزہت نے چوہدری وجاہت کے بولنے سے پہلے کہا۔ وہ جانتی تھی اگر وہ بولے تو باپ بیٹے میں تو تو میں میں ہو جائے گی۔

''اوپر والے کمرے کو سٹور بنا کر اس میں دنیا جہاں کا کوڑ کباڑ بھرا پڑا ہے وہ کہاں جائے گا ماں جی۔'' ہاشم بولا۔

''437 مکان غالباً تمہارے نام ہے، تمہارا ہے۔ تمہیں یہاں کوئی دقت یا تنگی ہے تو تم وہاں شفٹ ہو جاؤ۔ میرے جیتے جی تو یہ اسی طرز پر رہے گا۔ ہاں بعد میں چاہو تو محل بنا لینا۔'' انہوں نے چائے کا پیالہ ٹرے میں رکھتے ہوئے حکمیہ کہا اور چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔

''جو مرضی کرو۔ اج تک میری منی اے جو ہن من لینگے (آج تک میری مانی ہے جو اب

مان لیں گے)۔'' ہاشم اٹھ کھڑا ہوا۔ مہرین چپ چاپ چائے پیتی رہی۔

''بھائی کو جانے کیا کیڑا کاٹتا ہے جو بلاوجہ پاپا سے پنگے لیتے ہیں۔ انکی طبیعت اور مزاج دونوں کا اندازہ ہے پھر بھی۔'' عاصم نے کہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کوئی اونچ نیچ ہو۔ مہرین نے عجیب نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو تم سب ٹھیک ہو وہی غلط ہے۔

مہرین کو شادی کے بعد اپنے تایا کی حاکمانہ طبیعت اندازہ ہوا تھا۔ شادی سے دو سال پہلے ہی تو دونوں بھائیوں میں صلح ہوئی تھی۔ چوہدری حفیظ کی بہت سی عادات چوہدری وجاہت سے ملتی تھیں۔ کیوں نہ ملتیں بھائی تھے۔ ذات پات، برادری کو ماننے والے۔ البتہ مہرین کے گھر کا ماحول ایسا نہیں تھا جیسا ہاشم کے گھر کا تھا۔ ہاشم کے رویے کی سب سے بڑی وجہ ان کے والد کا سخت گیر رویہ تھا۔ تینوں بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم دی لیکن سبجیکٹ کیا رکھنا ہے، کس سکول کالج میں جانا ہے، یہ اختیار چوہدری وجاہت کے پاس تھا۔

بیٹوں کی باری بھی انتخاب کا حق اپنے پاس رکھا تھا۔ کیا پڑھنا چاہیے، کس فیلڈ میں جانا چاہیے یہ سب انکی مرضی سے ہوا۔ حتیٰ کہ دونوں بچیوں اور پھر ہاشم کی شادی اپنی پسند سے کی۔ والد کی ہر بات پر سب بچے لبیک کرتے تھے۔ نزہت میٹرک پاس تھیں اسلئے سوائے گھر داری کے وہ کسی معاملات میں نہ پڑتیں۔ بچپن میں سب والد سے ڈرتے تھے، جیسے وہ گھر میں داخل ہوتے سامنا کرنے کی بجائے سب کونوں کھدروں میں چھپنے کو ترجیح دیتے۔ انکے سامنے مذاق کرنا وبالِ جان بن جاتا۔ جب شعور آیا تو محسوس ہوا انکے بچوں کیلئے کئے گئے تمام فیصلے سو فیصد درست تھے۔ دونوں بیٹے اچھی تعلیم کی وجہ سے بہترین پوسٹ پر جاب کر رہے تھے، دونوں بہنیں اپنے گھروں میں خوش تھیں۔ مگر مہرین کو لگتا تھا انکی انا، ضد، ذات برادری کے چکر میں وہ ہاشم کے ساتھ انصاف نہیں کر پائے۔ اسکی شادی عنایہ سے ہو جاتی تو وہ مکمل، خوشی و

طمانیت سے بھرپور زندگی گزار رہا ہوتا۔ یوں ادھوری اور نامکمل زندگی نہ گزارتا۔

''میں تایا ابو کے بارے میں کیوں غلط سوچ رہی ہوں؟ ہاشم نے ان سے بات کب کی۔ انہوں نے تو تائی امی سے بات کی تھی۔ تایا ابو سے ایک بار صرف ایک بار بات کر لیتے کیا پتہ وہ مان جاتے۔'' وہ سوچے جا رہی تھی۔

''کبھی نہیں مانتے۔ ہاشم سے زیادہ انکو اور کون جان سکتا ہے۔ میں یہ سب کیوں سوچ رہی ہوں؟ مجھے اپنی طرف دیکھنا چاہیے۔ اپنے آپکو منوانا ہے۔ ہاشم کی محبت حاصل کرنی ہے۔''

''تم ادھر اکیلی بیٹھی ان برتنوں پر ختم پڑھ رہی ہو؟'' مہرین کی غیر موجودگی کو محسوس کر کے وہ باہر آیا۔

''آں۔ ہاں برتن کچن میں رکھ کر آتی ہوں۔'' وہ سوچوں سے نکلی۔

''ناشتہ آپ نہیں کرتے۔ دوپہر کا کھانا پتہ نہیں کھاتے ہیں یا نہیں۔ کم از کم رات کا کھانا تو سب کیساتھ گھر پر کھا لیا کریں۔'' دو ہفتے تک اسکی روٹین دیکھتی رہی۔ بالآخر بول پڑی۔

''کیا کروں یہ سب میری روٹین کا حصہ بن چکا ہے۔'' تسمے باندھتے ہوئے ہاشم نے لاپرواہی سے کہا۔

''اور میں آپکی زندگی کا۔'' مہرین نے کہا۔

''تو؟ کیا فرق پڑتا ہے۔'' ہاشم نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''آپکو واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا؟'' سوالیہ نظروں سے پوچھا۔

''نہیں۔'' موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھا کر وہ کمرے سے چلا گیا۔ مہرین دیکھتی رہ گئی۔

''میں جیسا ہوں ویسا دکھتا نہیں۔ یہ خول ہے جو میں نے خود پر چڑھایا ہے۔ ورنہ میرا غصہ

تم برداشت کرلو۔ ہنہ۔ ناممکن۔ نہیں کرسکتی برداشت۔'' ہاشم کی کہی بات یاد آئی۔

''پڑے گا۔ آپکو فرق پڑے گا ہاشم جب میری محبت آپکے دل میں گہرے پنجے گاڑے گی، جب آپ میری محبت کے رنگ میں پور پور تک رنگ جائیں گے تب۔ ہاں تب آپ خود مجھ سے مجھے طلب کریں گے۔ میں مکمل ہوجاؤنگی۔ میری تکمیل آپکی محبت سے مشروط ہے ہاشم۔'' خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔

اسے کہنا محبت کا کوئی رنگ نہیں ہوتا
محبت تو بس یار کے رنگ میں رنگ جاتی ہے!

شب و روز گزرنے لگے۔ ہاشم ہر طرح سے مہرین کا خیال رکھتا۔ کبھی شدت سے چاہتا، کبھی اسکا رویہ عجیب ہوجاتا۔ جب کبھی عنایہ کی یادیں سر اٹھاتیں تو وہ لاپرواہ، لاغرض، لاتعلق، اجنبی، سرد، تلخ، بیگانہ ہوجاتا۔ مہرین صبر کرکے رہ جاتی۔ یاسیت سے نکل کر ہنسانے پر آتا تو لگتا ہی نہیں وہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

''جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ فلورا کی آئسکریم کھانے چلتے ہیں۔ تم چلوگی سنیعہ؟'' رات گیارہ بجے مہرین کو تیار ہونے کا کہہ کر سنیعہ سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

''مجھے کباب میں ہڈی بننے کا شوق نہیں ہے۔'' مسکراتے ہوئے بولی۔

''آئی وڈی ہڈی۔''

''میرے لئے چکن مشروم سوپ لے آیئے گا اور میٹھا پان بھی۔'' سنیعہ نے کہا تو ہاشم نے اثبات میں سر ہلادیا۔

''مما! آپکو اور پاپا کو کچھ چاہیے تو بتادیں۔''

تسبیح کرتے ہوئے نزہت بیگم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

مہرین تیار ہو کر آئی تو ہاشم ایک ٹک اسے دیکھتا گیا۔ لائم کلر کے سوٹ میں بلیک کڑھائی ہوئی تھی۔ مہرین پر وہ رنگ بے حد جچ رہا تھا۔ یہ سوٹ ہاشم نے ہی پسند کیا تھا لیکن بے دلی سے جیسے شادی کی باقی شاپنگ بے دلی سے کی تھی۔

''چلیں۔'' مہرین نے پوچھا۔

''آں۔ ہاں چلو۔'' گاڑی کی چابی لے کر وہ باہر چلا گیا۔

''اچھا تائی امی میں چلتی ہوں۔'' پیار لینے کیلئے سر آگے کر دیا۔

''چلیں سنیعہ آپی۔''

''ارے نہیں بھئی تم لوگ جاؤ۔ مجھے اسائنمنٹ کمپلیٹ کرنی ہے۔ البتہ ہاشم بھائی کو آرڈر بک کروا دیا ہے۔'' ہنستے ہوئے کہا تو مہرین مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

''یہ کلر تم پر جچ رہا ہے۔'' ہاشم نے دل سے تعریف کی۔ وہ مسکرا کر رہ گئی۔

''ایسا لگتا ہے کہ سب رنگ تمہارے لئے بنے ہیں۔ کوئی بھی رنگ پہن لو خوبصورت اور دلکش لگتی ہو۔''

''تھینکس۔'' اسے سمجھ نہ آئی کیا کہے۔ دونوں طرف خاموشی تھی۔ ہاشم نے کیسٹ پلیئر چلا دیا۔

رنگ کی رنگائی جو تو مانگے، رنگ کی رنگائی جو تو مانگے

مورا جوبن گروی رکھ لے نجام

تو ہے صاحب مورا محبوبِ الٰہی

مو ہے اپنے ہی رنگ میں رنگ دے نجام

اتنے میں فلورا آ گیا۔ وہ نیچے اتری تو ایکدم لڑکھڑا گئی۔ ہاشم نے فوراً سنبھالا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں شاید بیلنس نہیں ہوا۔'' وہ شرمندہ ہوگئی۔

ہاشم نے اپنے لئے سوپ اور اسکے لئے آئسکریم آرڈر کی۔ ایک من چلی لڑکی پیزے کیساتھ انصاف کر رہی تھی۔ نظریں بار بار رسٹ واچ پر جاتیں تو کہیں سیڑھیوں کی طرف۔ صاف لگ رہا تھا وہ کسی کا انتظار کر رہی ہے۔ موبائل فون پر باغی ڈرامے کا سونگ لگا ہوا تھا۔ اسکا حلیہ بھی کسی حد تک باغیانہ لگ رہا تھا۔ سکائی بلیو چست ٹائٹس، سلیولیس شارٹ شرٹ، شولڈر کٹ براؤن بال، میرون لپ اسٹک، بلیو لینز لگائے ہوئے تھے۔ جسکا ڈائیا بڑا ہونے سے اسکی آنکھیں کچھ زیادہ ہی بڑی لگ رہی تھیں۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر یوں بیٹھی تھی جیسے یہ شاپ اسکی ہو۔

میرا من ہے درد بھرا، مجھ کو راہ عشق دکھا
میں ہاری تقدیر، بن رانجھے میں ہیر
پیراوے پیراوے پیرا میں ہو جاؤں نہ باغی
پیراوے پیراوے پیرا میں ہو جاؤں نہ باغی!

مہرین نے ناگواری سے دیکھا۔ اتنے میں آئسکریم آگئی تو اس نے سارا دھیان آئسکریم کھانے میں لگا دیا جیسے یہاں آئی ہی وہ اسی کام سے تھی۔

''پوسٹ مارٹم کرنے کا ارادہ ہے؟'' سوپ پیتے ہوئے ہاشم کی نظر یونہی اس لڑکی پر پڑ گئی تو مہرین نے کہا۔ ہاشم نے قہقہہ لگایا تو وہ لڑکی پل بھر کو اسکی طرف متوجہ ہوئی۔ بالوں کو ادا سے جھٹک کر پھر کولڈ ڈرنک کے سپ لینے لگ گئی۔

''تم نے شاید ایکسرے کہنا تھا۔ کیونکہ ایسے حلیے کا پوسٹ مارٹم نہیں ایکسرے کیا جاتا

ہے۔'' ہاشم نے آنکھ مارتے ہوئے کہا اور ہنسنے لگا۔ مہرین شرمندہ ہوگئی۔

اسی دوران ہپی ٹائم کا لڑکا آیا۔ لڑکی کھڑی ہوگئی۔ دونوں نے گال سے گال ملائے اور بیٹھ گئے۔ مہرین کے گال گلابی ہوگئے۔ پبلک پلیس پر ایسی ایسی بے شرمی سے مہرین پر پانی پانی ہوگئی اور منہ نیچے کرلیا۔ ہاشم مسکرادیا۔ غور سے دیکھا۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ عورت کا حسن حیا میں پنہاں ہوتا ہے۔ وہ بھی شرماتے ہوئے اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ ہاشم کا دل چاہا اسے دیکھتا رہے۔ اندر کی آواز نے ڈپٹا۔ ہاشم نے فوراً نظریں ہٹالیں جیسے کسی غیر عورت کو دیکھ لیا ہو۔

''بیوقوف لڑکی بلاوجہ اپنا خون جلا رہی ہو۔ اسکے حلیے سے اندازہ نہیں ہو رہا کس کیٹیگری کی لڑکی ہے۔ غصہ کرنے کا فائدہ؟'' ہاشم نے آہستہ سے مہرین کو کہا۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ وہ ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ اپنی بات کرتے۔ ایسی بات جس میں وہ دونوں ہوتے۔ اقرارِ محبت سے پہلے مہرین اس سے بہت باتیں کرتی تھی۔ مذاق کرتی، نوک جھونک چلتی پر محبت عیاں کر کے وہ سمٹ گئی تھی کیونکہ اسکو محبت کا جواب محبت سے نہ ملا تھا۔ نہ شادی سے پہلے نہ شادی کے بعد۔ شادی کے بعد وہ کافی بدل گئی تھی۔ بہت ضروری ہوتا تو بات کرتی ورنہ خاموش رہتی۔ ہاشم کو فرق بھی نہ پڑتا تھا۔ وہ انتظار میں تھی کہ کب ہاشم اقرار کرے کہ اسے مہرین سے محبت ہوگئی ہے۔ جلوت یا خلوت میں جب کبھی ہاشم اسکی تعریف کرتا مہرین کا دل تیز تیز دھڑکنے لگتا، بے قابو ہو جاتا کہ شاید اب اظہار کر دے مگر! کئی بار اسکی ہمت جواب دے جاتی۔ جیت دور دور تک نظر نہ آ رہی تھی، ہارنا وہ چاہتی نہ تھی۔

وہ جان چکی تھی کہ رمزِ ہجر کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔ محبوب کو حاصل نہ کرنے کا دکھ ہر دکھ پر بھاری ہوتا ہے۔ سب کچھ پا کر بھی وہ تشنہ رہتا ہے۔ مہرین خوش نصیب تھی جسے اسکی چاہت

مل گئی لیکن پھر بھی وہ تشنہ تھی، ادھوری، نامکمل۔ شروع شروع میں سب ٹھیک تھا لیکن جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا قربت کے لمحات اس پر گراں گزرنے لگے تھے۔ اسے قربت کے محبت سے عاری لمحات نہیں چاہئیں تھے۔ وہ ہاشم سے محبت چاہتی تھی۔ ایسی محبت جو دل سے کی جاتی ہے۔ ایسی اٹوٹ محبت جو اس نے عنایہ سے کی۔ ہاشم کو ہجر کی ساعت سے نکال کر وہ رمزِ وصل سمجھانا چاہتی تھی۔ اسے بتانا چاہتی تھی کہ پاکیزہ جذبوں کے ملن سے کس طرح دل شاد آباد رہتے ہیں ویران وافسردہ نہیں۔

❁.....❁.....❁

''شکر ہے یار تو اپنی زندگی میں سیٹ ہو گیا۔'' کبیر نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

''اسے تو سیٹ ہونا کہتا ہے؟ میں یہ زندگی اپنی مرضی سے نہیں جی رہا۔ یہ وہ زندگی ہے جو اپنے گھر والوں کیلئے گزارنی پڑ رہی ہے۔ مجھے کسی نہ کسی کیساتھ گزارنی تھی پھر وہ مہرین ہو یا کوئی اور۔'' کرسی کی پشت کیساتھ ٹیک لگاتے ہوئے کہا تو نبیل نے تاسف سے دیکھا۔

''بہت غلط بات کی ہاشو۔ مہرین یا جو بھی لڑکی اور جذبات واحساسات رکھتی ہے۔ ایسی بات کہہ کر تم نے بتا دیا ہے کہ۔'' نبیل بولا

''تم مہرین سے خوش نہیں ہو؟'' کبیر نے نبیل کی بات کاٹ کر اس سے پوچھا۔

''خوش ہوں۔ بہت خوش ہوں۔'' ہاشم نے کہا۔

''اور وہ؟'' نبیل نے مزید پوچھا۔

''وہ بھی خوش ہو گی۔ آخر کو اسکی رضامندی سے شادی ہوئی ہے۔ ناخوش ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔''

''خوش ہو گی۔ واہ واہ واہ! کیا بات کہی یار۔ خوش ہو گی اور خوش ہے۔ دونوں میں فرق ہے

میری جان۔ تیری باتوں سے صاف پتہ چل رہا ہے کہ کس قدر خوش ہے وہ۔ تجھے تو یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ واقعی خوش ہے؟ بات کرتا ہے خوشی کی۔ ہنہ جانے دے۔ گھر صرف رات گزارنے جاتے ہو یا تھوڑی دیر کیلئے انکل کی خیریت پتہ کرنے۔ بیوی کو وقت نہیں چاہیے کیا؟'' کبیر تپ کر بولا۔

''اک تے تو ہر وقت توے تے بیٹھا رینداا ے۔ ایس لئے کالا ایں (ایک تو تم ہر وقت توے پر بیٹھے رہتے ہو۔ اسی لئے کالے ہو)۔'' ہاشم نے بات بدلنے کیلئے ہنستے ہوئے اسکی گہری رنگت پر چوٹ کی۔

''کبیر ٹھیک کہہ رہا ہے ہاشو۔ تمہارے انداز، تمہارے اطوار، تمہاری گفتگو کسی میں بھی تبدیلی نہیں آئی۔ تمہارے شب و روز وہی ہیں۔ سارا دن آفس، میٹنگز اور رات دیر تک ہم دوستوں سے بیٹھک۔ کتنی بار بولا ہے وقت پر جایا کرو۔ کھانا گھر کھایا کرو۔ تمہاری بیوی انتظار کرتی ہوگی مگر تم۔ تمہارے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ تم اب بھی چھڑے چھانٹ جیسی لائف گزار رہے ہو۔'' شجاعت نے ملامت کیا۔

''یہ بات تو ہے۔ مہرین جیسی دھنک رنگ لڑکی کو تمہاری زندگی میں محبت کے رنگ بھرنا نہیں آئے یا تم نے اپنے دل کو اس قدر سیاہ کر لیا ہے کہ اس پر کوئی رنگ چڑھ ہی نہیں سکتا؟'' نبیل نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''او۔ خیر ہے۔ تم سب اسکی وکالت ایسے کر رہے ہو جیسے میں حق تلفی کر رہا ہوں۔ او یار جب۔ جب اسکو مجھ سے شکوہ نہیں تو تم سب کیوں مامے بنتے ہو؟ آئے وڈے مینو سمجھان والے۔'' ہاشم بلاوجہ تپ کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھ کر تحمل سے بات کرو ہاشم۔'' نبیل نے اسے بٹھایا۔

''کیا۔ کیا بات کروں؟ بتاؤ۔ اپنی میرڈ لائف تم لوگوں کیساتھ کیوں ڈسکس کروں؟ کوئی جواز نہیں بنتا کوئی تک نہیں بنتی۔ وہ خوش ہے نہیں تم لوگوں کا سر درد نہیں۔'' وہ دوبارہ کھڑا ہو گیا۔

''لے بھئی۔ اب ہم لوگ ہو گئے۔ چل فیر ٹھیک اے۔ تو لوکاں دے نال اپنا وقت ضائع نہ کر۔ چل ایتھوں۔ چل۔ بلکہ نئی تو ایتھے مر، اسی چلے جاندے آں۔'' کبیر کا غصہ ہاشم سے چار ہاتھ آگے ہی ہوتا تھا۔ غلط بات وہ برداشت کر ہی نہیں سکتا تھا۔

''Kabeer this is not the way to talk about''

نبیل نے سمجھانا چاہا تو کبیر نے بات کاٹ دی۔

Realy is n't I it' he mean nots supposed to discuss his married life with people. we were people Nabeel then why we should worried about him?

کبیر ہانپ گیا۔ ہاشم کے الفاظ اسکے دل پر لگے تھے۔

''ہم چاہتے ہیں یہ خوش رہے۔ عنایہ کو بھول جائے، مٹا دے اسکی یادوں کو، دفن کر دے اسی مٹی میں جہاں وہ خود مدفن ہے۔ مگر نہ۔ اسکو شوق ہے زندگی کو غم میں گھلانے کا۔ کتنا خوش تھے ہم کہ چلو گھر بسا رہا ہے۔ نئی زندگی شروع کر رہا ہے۔ خوش فہم ہو گئے کہ شادی کے بعد بدل جائے گا۔ مہرین جیسی کم عمر، خوبصورت اور معصوم لڑکی کی محبت پا کر عنایہ کو بھول جائیگا۔ پر یہ ٹھہرا مجنوں۔ ایک ایسی لڑکی کیلئے رانجھا بنا پھرتا ہے جسے مرے کئی سال گزر گئے۔ جس نے مرتے وقت ایک بار بھی یہ نہیں سوچا کہ یہ۔ یہ پاگل تا حیات خود کو موردِ الزام ٹھہرائے گا اسکی موت کا۔ دیکھ لو دیکھو وہی کر رہا ہے یہ۔'' کبیر کی ایک ایک بات درست تھی۔

''خبردار۔ایک۔ایک لفظ اور مت کہنا عنایہ کے بارے میں ورنہ۔'' ہاشم نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ورنہ۔ورنہ کیا۔ ہیں بتاورنہ کیا کرلے گا؟ ایک لفظ کیا یہاں میں نے ساری بات کردی ہے۔کرلے جو کرنا ہے۔'' اسکی انگلی کو نیچے کرتے ہوئے کبیر نے کہا۔

''ہنہ۔ویسے تو کر بھی کیا سکتا ہے سوائے ناکام خواہشوں اور حسرتوں کا ماتم کرنے کے؟ عنایہ،عنایہ عنایہ۔عنایہ عنایہ ہی کرنا تھا تو شادی کیوں کی؟ کیوں نہ بن گیا اسکی قبر کا مجاور؟'' یار مرگئی وہ مان کیوں نہیں لیتا۔کسی کے مرنے سے کوئی مرجاتا تو آج تو بھی وہیں کہیں دفن ہوتا۔عقلمندی یہی ہے کہ رمزِ ہجر میں سسک سسک کر زندگی گزارنے کی بجائے رمزِ وصل کو سمجھو۔'' کبیر نے نہ چپ ہونے ٹھان لی تھی۔

''آر یو اِن سینسس؟ پبلک پلیس پر تماشا بنا رہے ہو۔'' نبیل نے کبیر کو سائیڈ پر کیا۔

''تماشا میں نہیں یہ بنا رہا ہے اپنا اور مہرین کا۔میاں بیوی والا کھیل کھیل کر اسکے جذبات و احساسات کو مجروح کررہا ہے۔وہ اسکو بے حد چاہتی ہے پر یہ عنایہ کے عشق کا دیوتا بن کر اسکے جذبات کو روندرہا ہے،نظرانداز کررہا ہے بیچاری کی محبت کو۔وہ مجھ سے محبت کرتی ہے تو میں کیا کروں کا لیبل لگا کر آزاد گھوم رہا ہے۔'' وہ ہانپ رہا تھا لیکن آج اسکو خاموش نہیں رہنا تھا۔

''کبیر کبیر،کیا ضرورت ہے الجھنے کی؟ اسکی لائف ہے جیسے چاہے گزارے۔'' نبیل نے کبیر کو پکڑ کر سمجھایا۔

''میں الجھ نہیں رہا یار۔اس بیوقوف کی زندگی کو الجھنے سے بچا رہا ہوں جس نے ایک معصوم لڑکی کو ادھورے بندھن میں باندھ رکھا ہے۔قربت کی بھیک تو دے دی ہے پر محبت کیلئے ترسایا ہوا ہے۔یہ کیوں نہیں سمجھتا کہ اسے دو پل کی رفاقت نہیں تمہارا ساتھ چاہیے،توجہ

چاہیے، وقت چاہیے سب سے بڑھ کر محبت چاہیے۔ایک بات یاد رکھنا چوہدری ہاشم وجاہت، محبت انسان سے کی جاتی ہے، اسکی اچھائی سے، اسکے کردار سے۔اسکے جسم سے نہیں۔جسم کا تو سودا ہوتا ہے، سودا کیا جاتا ہے نفسانی خواہش کی تکمیل کیلئے۔نفسانی خواہش کی تکمیل اور تکمیلِ محبت میں فرق سمجھتے ہو نا؟''

ہاشم خاموش تھا۔کیا جواب دیتا۔کبیر کی بات حرف حرف سچ تھی۔کبیر جانے کیلئے قدم بڑھانے لگا۔

''میں نے دیکھا ہے۔میں نے مہرین کی آنکھوں میں نا آسودہ خواہشوں کا جال دیکھا ہے۔اسکی مسکراہٹ کے پیچھے ادھوری و یکطرفہ محبت کی کرچیاں بکھری پڑی ہیں جن کو سمیٹتے سمیٹتے وہ نڈھال ہو جاتی ہے۔تجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔کوئی فرق نہیں پڑتا۔اوشالا جے میرا یار۔ہن نہ ویکھے گا صورت میری۔ترسے گا۔'' جاتے جاتے رک کر کہا اور چلا گیا۔اسکے بعد ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔شجاعت اور نبیل بھی ہاشم کو ملامت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے چلے گئے۔

بات کیا تھی کیا سے کیا ہو گئی۔وہ تینوں ہاشم کو خوش و خرم اور مکمل دیکھنا چاہتے تھے۔سات ماہ گزرنے کے باجود بھی اسکی باتوں، انداز و اطوار سے صاف لگتا تھا عنایہ کی یاد ذرا بھی مدھم نہیں پڑی۔وہ جب بھی ہاشم کے گھر جاتے مہرین کو دیکھ کر صاف پتہ چلتا کہ ہاشم کی محبت پانے میں ناکام رہی ہے۔انہیں لگا یہی بہترین وقت ہے اسکو سمجھایا جائے اس سے پہلے کہ مزید تاخیر ہو۔وہ تینوں ہاشم ہی نہیں مہرین کیلئے بھی مخلص تھے۔وہ کم سن، نادان ضرور تھی لیکن ہاشم کی ہر بات کو فوراً محسوس کر لیتی تھی۔

''آج آپ جلدی گھر آ گئے۔'' خلافِ معمول رات دس بجے گھر دیکھ کر مہرین کھل سی گئی۔گمان ہوا کہ اسکی وجہ سے آیا ہے۔

''نہیں آنا چاہیے تھا کیا۔'' تینوں کا غصہ اس پر انڈیل دیا۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔شادی کے بعد پہلی بار اس وقت آئے ہیں تو۔'' ہاشم کے گھورنے پر بات ادھوری چھوڑنی پڑی۔کوٹ صحن میں رکھی کرسی پر پھینک کر وہ کمرے میں چلا گیا۔اسکے لئے ہاشم کا رویہ نیا نہیں تھا اسلئے کوئی ری ایکشن نہ دکھایا۔

''چائے پی لیں۔'' چائے کا کپ آگے کیا۔

''پی کر آیا ہوں۔'' سر مسلتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات جو پریشان کر رہی ہو؟ آپ۔آپ مجھ سے شیئر کر سکتے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔مجھے سونا ہے۔لائٹ آف کر دو۔'' صوفے سے اٹھ کر بیڈ پر آیا۔اے سی تیز کر کے بازو ماتھے پر رکھے سیدھا لیٹ گیا۔

وہ جب بھی پریشان ہوتا اسی طرح لیٹتا تھا جو بے سکونی کو ظاہر کرتا تھا۔مہرین نے اپنی چائے ختم کی پھر ہاشم کیلئے لائی ہوئی چائے پی اور بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔نیند آنکھوں سے روٹھی ہوئی تھی۔جب بھی پریشان ہوتا وہ اسی طرح بیٹھ کر اس کو تکتی رہتی۔وہ جانتی تھی یہ پریشانی نہیں یادوں کی یلغار ہے جو اسکو بے چین و بے سکون رکھتی ہیں۔عنایہ کی یادوں کے جال میں وہ اکثر سرد، بیگانہ، لاپرواہ اور تلخ ہو جاتا۔

عورت کبھی نہیں تھکتی اسکو رویے تھکا دیتے ہیں۔ذہنی طور پر پرسکون ہو کر سارا دن کام کر کے عورت اتنا نہیں تھکتی جتنا فارغ رہ کر اپنوں کے رویوں کو برداشت کر کے تھک جاتی ہے، ہار جاتی ہے، ذہنی بیمار ہو جاتی ہے۔اندر ہی اندر کڑھتی رہتی ہے۔مہرین بھی تھکنے لگی تھی۔

وہ اپنے مقام کا تعین کرنا چاہتی تھی۔ جاننا چاہتی تھی ہاشم کیلئے اسکا ساتھ کیا معنی رکھتا ہے۔

''کیوں خود کو اذیت دے رہے ہو؟ چھوڑ کیوں نہیں دیتے اسے؟ تم کسی لڑکی کیساتھ خوش نہیں رہ سکتے۔ عنایہ نہیں تو کوئی بھی نہیں۔''

''کیوں بار بار بھڑکانے آجاتے ہو۔ مجھے آباد دیکھ کر حسد کرتے ہو۔'' وہ انہی سوچوں میں محو تھی ہاشم کی آواز سن کر چونک گئی۔

''ہاشم ہاشم۔'' اسکا کندھا ہلا کر پکارا تو ہڑبڑا کر اٹھا۔

''کہاں گیا وہ؟'' ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کک کون کہاں گیا؟'' مہرین خوفزدہ ہوگئی۔

''وہی جو مجھے تم سے دور کرنا چاہتا ہے۔ مجھے ورغلاتا ہے کہ تمہیں چھوڑ دوں۔''

''ہم دونوں کے سوا یہاں کوئی نہیں ہے۔'' مہرین نے اسکا ہاتھ تھام کر کہا جو ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ ہاشم نے اسے خود سے قریب کر کے سینے سے لگالیا۔ مہرین نے اپنا آپ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ وہ سمجھ گئی ہاشم اپنے اندر کی جنگ سے لڑ رہا تھا۔ اسکا ضمیر اسکو ملامت کر رہا تھا۔ مہرین کو وہ پتہ مل گیا تھا جس سے ہاشم کو رمزِ وصل کا مطلب سمجھانا آسان تھا لوہا گرم تھا۔ چوٹ کرنے کا یہی مناسب وقت تھا۔ اس وقت وہ کچھ بھی کہتی وہ سمجھ جاتا۔

''کون آپکو ورغلاتا ہے؟ کون ہے جو آپکو خوش رہنے سے روکتا ہے؟ حقیقی خوشی سے محروم رکھا ہوا ہے؟'' آہستہ سے اسکو خود سے الگ کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا مہر۔ شاید میرا ضمیر ہے جو مجھے بار بار ملامت کرتا ہے کہ عنایہ نے میری وجہ سے جان کی بازی لگادی اور میں گھر آباد کر کے بیٹھ گیا ہوں۔ سات سال سے لڑ رہا ہوں اس آواز سے۔ چاچو اور پاپا میں دوریاں نہ آئیں اسلئے گھر والوں کی خوشی کی خاطر ہتھیار

ڈالنے پڑے ورنہ مجھے شادی کرنی ہی نہیں تھی۔"

"آپ نے عنایہ کو کہا تھا خودکشی کرے؟"

ہاشم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر؟ پھر کیوں خود کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں؟ کیوں اپنے آپکو اذیت کی وادی میں دھکیلا ہوا ہے؟ کیوں بلاوجہ مسکرا کر ہنس کر، دوسروں کو ہنسا کر اس لڑکی کے وعدوں کی لاج رکھ رہے ہیں جس نے مرنے سے پہلے ایک بار۔ ایک بار بھی آپکے بارے میں نہ سوچا کہ کیسی زندگی جئیں گے آپ؟ خود کو مار کر آپکو مجرم بنا کر وہ ہنسنے اور ہمیشہ خوش رہنے کا وعدہ کیسے کر سکتی ہے؟ اور کیسے آپ اس کے وعدے کے پابند ہو سکتے ہیں؟"

"وہ میری زندگی تھی، میری خوشی، میرا سب کچھ۔" ہاشم نے سسکتے ہوئے کہا۔ مہرین کا دل ڈول گیا۔

"اگر ابھی ہار مان لی تو کبھی نہ جیت سکوں گی۔" اس نے خود سے کہا۔

"وہ زندگی تھی؟ سات سال گزر جانے کے بعد آپ زندہ کیسے ہیں ہاشم۔" مہرین نے پوچھا۔

"یہ کوئی زندگی ہے۔ ہنہ۔"

"یہی زندگی ہے ہاشم۔ یہی وہ زندگی ہے جو اللہ نے آپکے نصیب میں لکھی ہے۔ جسکی حقیقت کو آپ میں یا کوئی بھی نہیں جھٹلا سکتا۔ اللہ کی مصلحت کہہ لیں یا اسکی رضا۔ آپکے نصیب میں اسکا ساتھ نہیں تھا۔"

"کیا یہ سچ نہیں اس نے میری محبت میں جان دی؟"

"نہیں۔" ہاشم نے عجیب نگاہوں سے دیکھا۔

''اس نے آپکی خاطر جان نہیں دی۔ وہ اپنے والدین اور بھائیوں کی ضد میں آ کر جان سے گئی۔''

''اچھا۔ واہ۔ صحیح بات ہے۔ یہ بتاؤ اسکی ضد کا میری محبت سے کوئی تعلق نہیں؟'' ہاشم اپنی بات پر قائم تھا۔

''نہیں۔ بالکل نہیں، محبت اور ضد دو متضاد چیزیں ہیں۔ محبت میں ضد نہیں ہوتی اور جو ضد کرتا ہے وہ رمزِ حب سے ناواقف ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی عنایہ نے آپکو نہیں چاہا۔ اس نے آپکو ٹوٹ کر چاہا۔ اٹوٹ محبت کی۔ پر ایک بات بتائیں جو انسان اللہ کی دی ہوئی زندگی سے کھیل جائے، جو خود سے محبت نہ کرے وہ کسی سے کیا کرے گا؟''

''اچھا اچھا تو تم کہنا چاہتی ہو وہ محبت کے مفہوم سے نا آشنا تھی۔'' اس نے طنز کیا۔

''بالکل میرا یہی مطلب ہے۔ ایک بات بتائیں آپ نے خودکشی کیوں نہیں کی حالانکہ محبت تو آپ بھی کرتے تھے بلکہ اب تک کرتے ہیں۔ سات سال گزر جانے کے بعد بھی وہ آپکے خیالوں میں، یادوں میں، باتوں میں، عمل میں زندہ ہے۔ آپ نے اسکی خاطر جان کیوں نہیں دی؟''

ہاشم الجھ گیا۔ الجھن چہرے سے عیاں تھی۔

''جو عذابِ جدائی یہاں جھیل رہا ہوں وہ قابل برداشت ہے مگر آخرت تک حرام موت کا عذاب جھیلنے کی ہمت نہیں۔ یہ جان اللہ کی امانت ہے وہ جب چاہے لے لے لیکن جان بوجھ کر خود کو اذیت ناک موت دینے کا تصور نہیں کر سکتا۔''

''یہی میں کہنا چاہتی ہوں ہاشم۔ ہماری جان خالق حقیقی کی امانت ہے وہ جب چاہے اپنی امانت لے لے۔ لیکن بحیثیت انسان ہمیں کوئی حق نہیں کہ اس کو ذرا سا بھی نقصان پہنچائیں۔

ہمیں اپنے ہر اعضاء کے بارے میں جوابدہ ہونا ہے۔ عنایہ نے۔ اس نے حرام موت کا انتخاب کر کے اللہ کی امانت میں خیانت کی ہے۔ آپکی محبت میں اس قدر خودغرض ہوگئی کہ والدین کی عزت کے بارے میں سوچا نہ اللہ کی امانت کے بارے میں۔ باشعور تھی جانتی تھی یہ جان دین اسلام اور وطن کیلئے قربان کی جائے تو حلال بصورت دیگر حرام۔ اسے محبت کا اصل مطلب پتہ ہوتا تو کسی مٹی کے پتلے کی خاطر کبھی خودکشی نہ کرتی بلکہ نصیب کا لکھا سمجھ کر زندگی گزارتی۔ آپ بھی تو گزار رہے ہیں۔"

وہ خاموش رہا۔ آج اسے مہرین کی سننی تھی تا کہ اندر کی آواز کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سلا سکتا۔

"اگر آپکو لگتا ہے کہ عنایہ نے اسلئے جان دی کہ آپ نہ مل سکیں گے تو پھر مجھے بھی مر جانا چاہیے۔ مجھے بھی جان دے دینی چاہیے کیونکہ میں بھی تو آپکو بے حد پیار کرتی ہوں، بے تحاشا چاہتی ہوں، بے پناہ محبت کرتی ہوں خود سے زیادہ لیکن دیکھئے میری بدقسمتی۔ چاہتے آپ آج بھی عنایہ کو ہیں۔" مہرین ایکدم خاموش ہوگئی۔ سر جھکا لیا جیسے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہو۔

صنوبر نے کہا تھا عورت محبت کا اظہار و اقرار کر کے بے مول ہو جاتی ہے اسلئے اظہار کبھی مت کرنا۔ سمجھدار مرد بیوی کے ہر عمل سے جان لیتے ہیں کہ وہ کس قدر چاہتی ہے، اسکی توجہ سے اپنی حیثیت کا تعین کر لیتے ہیں۔ بدلے میں وہ محبت و عزت دیتے ہیں۔ پر یہاں تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ زبان سے نکلی بات پلٹ نہیں سکتی تھی۔ ہاشم نے غور سے دیکھا۔ اسکے چہرے پر انوکھی چمک تھی اور ہاشم اس چمک کو اچھے سے جانتا تھا کیونکہ محبت کے ہر رنگ سے وہ واقف تھا۔ محبت نور بن کر اسکے چہرے پر برس رہی تھی۔ اس وقت وہ ہاشم کو دنیا کی سب سے حسین لڑکی لگی۔ مہرین کے اظہارِ محبت نے اسکو اندر تک شرمندہ کر دیا۔ وہ خود سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کر پا رہا تھا مہرین کی آنکھوں میں جھانکنا دور کی بات تھی۔

ایکدم اٹھا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ مہرین اسے دیکھتی رہ گئی۔ اقرارِ محبت کا جواب دینا تو دور کی بات اس نے تو ملامت تک نہ کیا۔ چپ چاپ کمرے سے چلا گیا۔ مہرین کا دل خراب ہو گیا۔ وہ رونا چاہتی تھی، چلانا چاہتی تھی مگر سب بیکار تھا۔ انا کا بھرم ٹوٹ چکا تھا۔ وہ سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی۔

''یا اللہ! مجھے اظہار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیا سوچیں گے میرے بارے میں۔'' وہ رو پڑی۔

''عنایہ عنایہ عنایہ۔ مر گئی وہ مان کیوں نہیں لیتا۔ کسی کے مرنے سے کوئی مر جاتا تو آج تو بھی وہیں کہیں دفن ہوتا۔ عقلمندی یہی ہے کہ رمزِ ہجر میں سسک سسک کر زندگی گزارنے کی بجائے رمزِ وصل کو سمجھو۔'' اسے کبیر کی کہی بات یاد آئی۔ وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ مٹھیاں ضبط سے بھینچ لیں۔

''تماشا میں نہیں یہ بنا رہا ہے اپنا اور مہرین کا۔ میاں بیوی والا کھیل کھیل کر اسکے جذبات و احساسات کو مجروح کر رہا ہے۔ وہ اسکو بے حد چاہتی ہے پر یہ عنایہ کے عشق کا دیوتا بن کر اسکے جذبات کو روند رہا ہے، نظر انداز کر رہا ہے بیچاری کی محبت کو۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے تو میں کیا کروں کا لیبل لگا کر آزاد گھوم رہا ہے۔'' کبیر کے الفاظ ہتھوڑے کی مانند اسکے کانوں پر پڑ رہے تھے۔

''ایک معصوم لڑکی کو ادھورے بندھن میں باندھ رکھا ہے۔ قربت کی بھیک تو دے دی ہے پر محبت کیلئے ترسایا ہوا ہے۔ یہ کیوں نہیں سمجھتا کہ اسے دو پل کی رفاقت نہیں تمہارا ساتھ چاہیے، توجہ چاہیے، وقت چاہیے سب سے بڑھ کر محبت چاہیے تاکہ وہ مکمل ہو سکے۔ ایک بات یاد رکھنا چوہدری ہاشم وجاہت محبت انسان سے کی جاتی ہے، اسکی اچھائی سے، اسکے کردار سے۔ اسکے جسم سے نہیں۔ جسم کا تو سودا ہوتا ہے، سودا کیا جاتا ہے نفسانی خواہش کی تکمیل کیلئے۔ نفسانی

خواہش کی تکمیل اور تکمیلِ محبت میں فرق سمجھتے ہو نا؟'' چاروں طرف کبیر کی آواز تھی۔ اسکے الفاظوں کے تیر سیدھا ہاشم کے دل میں لگ رہے تھے۔ حرف حرف سچ، کڑوا اور بدترین تھا۔

''ٹھیک ہی تو کہا کبیر نے۔ کہیں بھی کچھ غلط نہیں کہا۔ عنایہ کی محبت کا مجاور بن کر مہرین کو زندگی میں بسا کر اسکے جذبوں کیساتھ کھیل رہا ہوں۔ سب کچھ بن مانگے مہیا کرنے کے باوجود کبھی نہیں پوچھا کہ اسے کب کیا چاہیے یا کس چیز کی ضرورت ہے۔ بلکہ میں نے اسکو اپنی ضرورت بنا کر جب دل کیا طلب کر لیا مگر اس نے آج تک اف نہ کی۔ وہ تو۔ وہ تو مجھ سے محبت کرتی ہے بے لوث، بے حد، بے تحاشا، بہت زیادہ۔'' ضبط نہ کر سکا تو دیوار پر مکا مارا جس سے نقصان اپنا ہی ہوا۔ سی کر کے رہ گیا۔

''عنایہ! تمہاری چاہت تھی، محبت تھی اور شاید جنون بھی۔ پر ایک بات یاد رکھنا وہ ماضی بن چکی ہے۔ اسکا تمہارے حال یا مستقبل سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے لہٰذا اپنی زندگی کو اسکی یادوں میں غرق کرنے کی بجائے مہرین کو دل سے قبول کر کے وہ مان، عزت، توجہ اور محبت دینا جو ایک بیوی کا حق ہے۔'' شادی سے ایکدن پہلے نزہت نے ہاشم سے کہا تھا۔

''ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ بلکہ باندھ لو کہیں بھی۔ عورت کو صرف عورت مت سمجھنا کیونکہ عورت صرف بیوی نہیں ہوتی وہ تمہاری نسلوں کی امین ہوتی ہے۔ بچوں کی اچھی پرورش کیلئے اسکا ذہنی طور پر پرسکون ہونا ضروری ہے تا کہ وہ بغیر کسی فکر و پریشانی کے تمہاری اولاد کو، نسل کو اچھے سے پروان چڑھا سکے۔ دیکھ یار عورت کو عزت دو گے تو تاحیات تمہاری عزت کرے گی، محبت دو گے تو ساری زندگی تم پر نچھاور کر دے گی۔ عزت و محبت دونوں دو گے تو تمہاری محبت کی مقروض رہے گی لیکن کسی ایک چیز کی کمی کرو گے نا تو نقصان تمہارا ہوگا۔ تمہارے سامنے ایک مکمل عورت کی بجائے نامکمل و ادھوری عورت ہو گی جو ہمیشہ نا آسودہ رہے گی۔ ایسی

عورتیں ذہنی مریض بن جاتی ہیں پھر وہ شوہر کا خیال دل سے رکھ سکتی ہیں نہ اولاد کی پرورش بہتر انداز میں کر سکتی ہیں۔ اور جانتے ہو قصور کس کا ہوتا ہے؟ گھر کے ماحول کا یا شوہر کے رویے کا مگر پستی اولاد ہے جسکی پرورش میں کوئی نہ کوئی کمی رہ جاتی ہے۔'' شجاعت نے ایک بار اپنے اپنے شادی شدہ دوست معظم کو کہا تھا۔ ہاشم بھی اسکی بات سے متفق تھا۔ اس وقت وہ خود کو دنیا کا بدترین شوہر محسوس کر رہا تھا۔

''کبیر نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔ مجھے عنایہ سے محبت تھی تو شادی کر کے کسی کی زندگی برباد نہ کرتا۔ یا اللہ! میں نے کبھی کسی کا دل دکھانے کے بارے میں نہیں سوچا، سب کو جوڑ کر رکھنے کی کوشش کرتا ہوں، لوگوں کے مسائل حل کرتا ہوں۔ لیکن یہاں اپنی ہی بیوی کیساتھ۔ آہ!۔ مہرین کی آنکھوں میں محبت واضح تھی کیوں نہ دیکھ سکا؟ اسکے لب ہمیشہ کچھ کہنے کو بیتاب رہتے جان ہی نہ پایا۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کس موڑ پر زندگی لے آئی تھی۔

''غمِ ہجرِ یار میں وہ خوبصورت، پرسکون، دل آویز وصلِ لمحات کیوں بھول جاتا ہوں جو مہرین کی رفاقت میں نصیب ہوتے ہیں۔ ناشکری کا مرتکب ہوتا رہا اور بھول گیا کہ اللہ نے ایک محبت کرنیوالی لڑکی کو میری زندگی میں بھیجا ہے۔''

بے چینی، بے سکونی نے اسکے وجود کو گھیر رکھا تھا۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ یہاں وہاں سکون نہ آ رہا تھا۔ سیڑھیاں پھلانگتا کمرے میں آیا۔ ایک نظر مہرین کو دیکھا جو بیڈ کیساتھ ٹیک لگائے بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی۔ چہرے پر واضح تھی معصومیت، پاکیزگی، جذبوں کی دھنک، محبت کے رنگ!

موبائل لیا، گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔

''صادق مچھلی والے کی دکان پر آ۔ بات کرنی ہے۔ شجاعت اور کبیر کو بھی ساتھ لانا۔'' ہاشم نے نبیل کو فون کر کے بلایا۔

''ہم لوگ فلور اپر بیٹھے ہیں۔ آسکتے ہو تو بتا دو۔ ورنہ ہم آجاتے ہیں۔'' نبیل نے کہا۔ ہاشم کا لہجہ بتا رہا تھا کوئی خاص بات ہے۔

''آتا ہوں۔'' ہاشم نے کہہ کر کال ڈس کنیکٹ کر دی۔

دس منٹ بعد وہ تینوں کیساتھ بیٹھا تھا۔

''کچھ کھاؤ گے؟'' نبیل نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ کبیر خاموش بیٹھا تھا۔

''اب خاموش کیوں ہو؟ کیا شکل دیکھنے کو بلایا تھا؟ آئے ہو تو بتا دو کس بات سے پریشان ہو؟'' شجاعت نے پوچھا۔

''پریشان۔ ہنہ۔ پھر سے عنایہ کی یادوں کا دورہ پڑا ہوگا۔ اسکی محبت کا بخار چڑھا ہوگا۔'' کبیر بڑبڑایا۔ جب کبھی عنایہ کی یادیں ضرورت سے زیادہ ستاتیں وہ انکے پاس ہی آتا تھا شیئر کرنے کیلئے۔

''اس بخار سے ہمیشہ کیلئے نجات پانے آیا ہوں۔'' ہاشم نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا تو تینوں نے حیرت سے دیکھا جیسے انہیں اپنی سماعت پر شک ہوا ہو۔

''یہاں کیوں آئے ہو؟ تمہیں مہرین کے پاس ہونا چاہیے۔ اپنے دل کو اسکے سامنے کھول کر رکھ دو۔ کہہ دو جو بھی دل میں ہے۔'' شجاعت نے پرجوش ہو کر کہا۔ اس نے شکر کیا کہ کم از کم کبیر کی باتیں اسکی سمجھ میں جلدی آگئیں۔

''مہرین کے پاس جاؤنگا۔ سب کہونگا لیکن پہلے اپنے یار کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ منانا چاہتا ہوں۔'' ہاشم نے کبیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو کبیر نے بیویوں کی طرح ہنہ

کر کے منہ پھیر لیا۔

''آئی ایم رئیلی ویری سوری یار۔ تیری ایک ایک بات درست تھی۔ میں غلط تھا جو عنایہ محبت کو دل سے لگائے مہرین کی اور اپنی زندگی کو گرہن لگا رہا تھا۔ مہرین مجھے بہت چاہتی ہے۔ وہ محبت کی اکائی جانتی ہے، وہ رشتوں کی ویلیوز کو سمجھتی ہے اور جانتی ہے کس طرح رشتوں کو لے کر چلنا ہے۔'' ہاشم اسکے پاس بیٹھ گیا تو کبیر نے زیادہ دیر خفا رہنا مناسب نہ سمجھا اور اسے گلے لگا لیا۔

''تو نے عنایہ سے محبت کی، بے لوث کی، بہت زیادہ کی۔ اسکی کم عقلی کہ اس نے مرنے سے پہلے تیرا تو کیا کسی کا بھی نہ سوچا۔ وہ شاید اچھی جگہ پر ہے۔ بس یار ایک محبت اور کر لے۔ مہرین کو محبت کا جواب محبت سے دو گے تو وہ ساری زندگی تم پر وار دے گی۔'' ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

''کدھر؟'' ہاشم نے سوالیہ نظروں سے نبیل کو دیکھا۔

''گھر جاؤ۔ شاباش۔ دو بج رہے ہیں۔ اب تو کوئی چھڑا چھانٹ نہیں جو ساری ساری رات باہر گزارے۔'' کبیر نے نبیل کی بات سمجھ کر اسے گھر کا راستہ دکھایا۔

''یار کچھ کھا تو لوں۔ خالی پیٹ کیسے۔'' پانی پیتے ہوئے کہا۔

''پیزا اور سوپ آرڈر کرتا ہوں۔'' نبیل نے کہا۔

''کھا کر چلتا بن۔'' کبیر نے کہا تو تینوں ہنس پڑے۔

گھر آیا تو مہرین جاگ رہی تھی۔ اسکو دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔

''کہاں چلے گئے تھے؟ آئی ایم سوری۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا اس وقت جو منہ میں آیا بول

دیا۔ آئی نو مجھے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں کچھ اور بتانا چاہتی تھی پر۔'' مہرین شرمندہ شرمندہ تھی۔

''تم نہ کہتی تو کون کہتا؟'' اسکو کندھے سے پکڑا اسکی بات کاٹ کر بولا۔

''آپ پلیز ناراض مت ہوں۔ میں آئندہ احتیاط کرونگی۔ کوشش کرونگی ایسا کچھ نہ بولوں جو آپکے لئے تکلیف کا باعث ہو۔'' اسے لگا ہاشم اس پر طنز کر رہا ہے۔

''اچھی بات ہے اگر سمجھ جاؤ۔''

''جی۔'' مہرین نظریں جھکاتے ہوئی بولی۔

''کیا جی؟'' ہاشم نے کہا۔

''یہی جو آپ نے کہا کہ سمجھ جاؤں۔'' ہاشم مسکرا دیا۔

''تو تم سمجھ گئیں؟'' ہاشم نے اسکو الجھا دیا۔

''جج جی سمجھ گئی۔'' وہ بوکھلا گئی۔

''اچھا۔ کیا سمجھی؟'' ہاشم نے کہا تو مہرین نے سر جھکا لیا جیسے طالبعلم سبق یاد نہ کرنے پر جھکاتا ہے۔

''مہر۔'' ہاشم نے اسے خود سے قریب کرتے ہوئے کہا۔ مہرین نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ کیا نہیں تھا ہاشم کی آنکھوں میں چاہت، محبت، اپنائیت۔ وہ سب جو مہرین دیکھنا چاہتی تھی۔

''مجھے معاف کر دو۔ میں ہجرِ بیکراں میں بے قرار رہتے ہوئے تمہارے ساتھ حق تلفی کر رہا تھا۔ قربت کے دو پل دے کر سمجھتا تھا تکمیل ہو گئی۔ پر۔'' مہرین کے ہاتھوں پر سر کر بولا۔ مہرین کچھ بولنے کے قابل نہ تھی۔ آج اسے دوہری خوشی ملی تھی۔ وہ جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔ اس پل کا وہ کب سے انتظار کر رہی تھی۔

''میں ماضی کے سائے سے بھاگنا چاہتا ہوں۔دور ہونا چاہتا ہوں ماضی کی ہولناک وادی سے جہاں سوائے تکلیف کے کچھ نہیں۔فرار چاہتا ہوں عنایہ کی یادوں سے، خیالوں سے، باتوں سے۔اسکی محبت کو ماضی کی کتاب میں بند کر کے مجھے اب صرف تمہارا ہونا ہے۔ اپنے رنگ میں رنگ لو مہر۔ مجھے اپنے رنگ میں رنگ لو۔'' مہرین کا روم روم اپنے رب کا شکر ادا کر رہا تھا۔سجدہ کرنا باقی تھا۔

''میں آپ پر کونسا رنگ چڑھا سکتی ہوں ہاشم۔میں تو خود آپکے رنگ میں رنگی ہوئی ہوں۔ مجھ پر آپکی محبت کا ایسا گہرا اور پکا رنگ چڑھا ہوا ہے جسکے آگے سب رنگ ہیچ ہیں۔'' مہرین نے اقرار کیا۔ہاشم نے اسے خود سے لگا لیا۔

''مہر۔تم میری کسی نیکی کا صلہ ہو۔''

''آئی ایم رئیلی ویری سوری مہر۔جانے انجانے میں تمہیں بہت ہرٹ کیا۔پر اب۔اب تلافی کرونگا۔اتنی محبت دونگا کہ سارے شکوے، گلے ختم ہو جائیں گے۔دیر سے ہی سہی لیکن رمزِ وصل کا اصل مطلب جان گیا ہوں پرسکون، سرشار، آسودہ کر دینا۔اِن فیکٹ وہ تم ہی ہو جس نے رمزِ وصل اور رمزِ حب سمجھایا ہے۔''

''تکمیلِ محبت کا کیا؟'' مہرین کے پوچھنے پر ہاشم نے ناسمجھی سے دیکھا۔

''تکمیلِ محبت؟ میں سمجھا نہیں۔'' ہاشم حقیقتاً سمجھ نہ پایا۔

''اللہ نے ہماری محبت کی تکمیل کیلئے ایک ننھے مہمان کو بھیجنے کا بندوبست کیا ہے تاکہ ہمارا تعلق، ہمارا رشتہ مضبوط ہو سکے۔'' مہرین نے شرماتے ہوئے کہا تو ہاشم نے اس کا ہاتھ کا بوسہ دیا۔

''واقعی؟'' مہرین نے اثبات میں سر ہلایا۔نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''گھر والوں کو پتہ ہے؟'' ہاشم نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''نہیں۔ پہلے آپکو بتانا چاہتی تھی۔ لیکن بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔'' اس نے کہا۔
''صبح سب کو خوشخبری دونگا۔ تھینک یو سو مچ مہرین۔''
''تھینکس فار واٹ۔''
''رمزِ حب و وصل سمجھانے کیلئے۔ ان لفنڈر دوستوں کا بھی شکریہ جنہوں نے مجھے اکسایا ورنہ میں آج بھی اقرار نہ کرتا۔''
''شکر اس رب کی ذات کا جس نے آپکا دل میری طرف پھیر دیا۔ مجھے دوہری حقیقی خوشیوں سے نوازا۔ آپکی محبت کا اظہار اور ننھے مہمان کی آمد۔ الحمدللہ۔'' مہرین نے دل سے اللہ کا شکر ادا کیا۔
''آئی لو یو مہر۔ تم میری زندگی کی وہ خوشی ہو جس نے آج مجھے مجھ سے ملایا۔ ایک نئی خوشی دے کر زندگی کی نوید دی ہے۔''
ہاشم کے اقرار نے مہرین کو اندر تک سرشار کر دیا۔ اس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ مطمئن ہو گئی۔ اسکو اسکی زندگی کا حاصل مل گیا تھا۔ وہ جتنا اللہ کا شکر ادا کرتی کم تھا۔

..... ختم شد .....